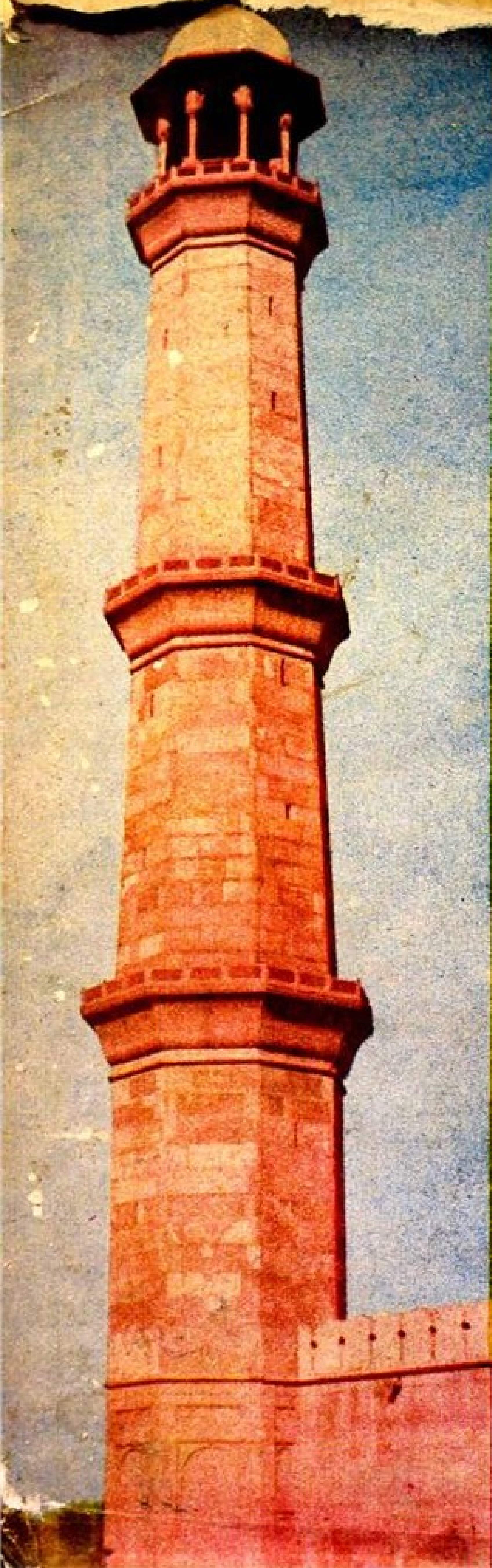


چہ قلندرانہ گفتم

شورش کاشمیری

وعات چٹان، میکلوڈ روڈ لاہور

چہ قلندرانہ گفتم

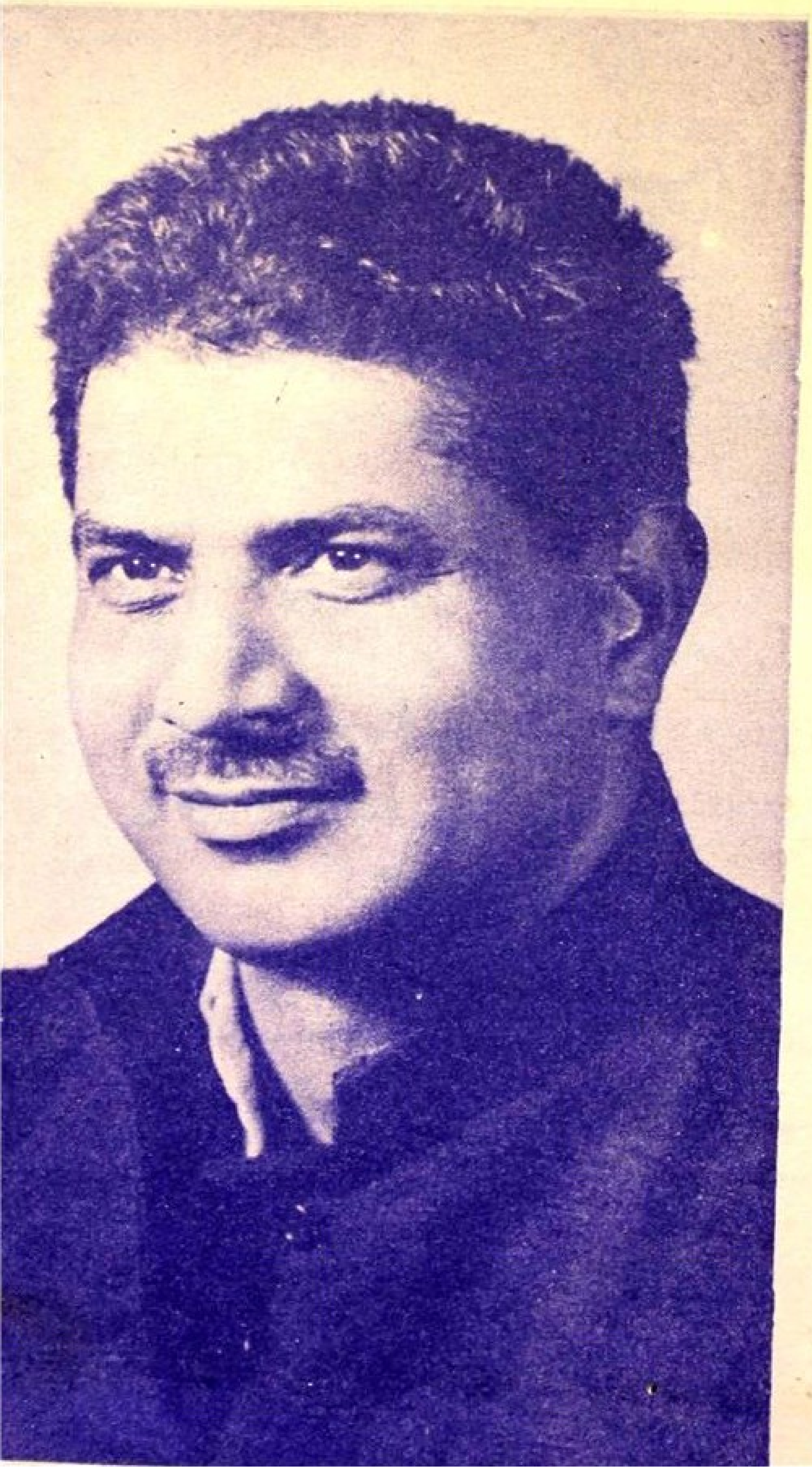
شورش کاشمیری

مطبوعات چٹان ۸۸۔ میکلوڈ روڈ لاہور
مغربی پاکستان

طباعت اوّل ——— ایک ہزار ایک سو
لیتھو ——— اُردو پریس دسمبر ۱۹۶۳ء
سرورق ——— چٹان پریس دسمبر ۱۹۶۵ء
قیمت ——— عام ایڈیشن تین روپے
——— خاص ایڈیشن چار روپے

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

اقبالؒ





چه قلندرانه گفتم

آغاز میں

یہ مجموعہ اواخر دسمبر ۱۹۶۳ء ہی میں تیار ہو گیا تھا۔ ابتدائی آٹھ صفحے باقی تھے۔ ذہن اس طرف راجع نہ ہوا۔ اشاعت رُکی رہی۔ بلکہ اس التوا کو دو سال ہو گئے۔ ۱۹۶۵ء کے آخری ہفتہ میں ایکا ایکی اس کا مسودہ سامنے آیا۔ تو پھر اس کی اشاعت کا سوال پیدا ہوا۔ القصہ ۱۹۶۶ء کے شروع ہفتہ میں یہ کتاب حاضر خدمت کی جا رہی ہے۔

یہ تمام نظمیں کئی سال پہلے چٹان میں چھپ چکی ہیں۔ اس کے بعد نظموں کا ایک اور ذخیرہ ہو چکا ہے لیکن اولاً ان کا رشتۂ فکر اس مجموعہ سے مختلف ہے۔ ثانیاً یہ مجموعہ جیسا کہ عرض کیا۔ دو سال پہلے کا چھپا پڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دوران کی نظمیں، اس مجموعہ میں شامل نہ ہو سکتی تھیں۔

جہاں تک اس مجموعہ میں حمد و نعت کے حصہ کا تعلق ہے۔ معاملہ صاف ہے۔ ہر انسان اپنے رب کے دروازے پر دستک دے سکتا ہے۔ اُس کا دروازہ اپنی مخلوق کیلئے بند نہیں۔ وہ سب کا پروردگار ہے۔ اس کے فضل و کرم کا سمندر اتنا بے کراں ہے کہ انسانی فہم و نظر کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ غور و فکر کی تمام بلندیاں اسکی بارگاہ کے روبرو سر جھکا دیتی ہیں۔ اب رہا نعت گوئی کا سوال، تو مجھے اپنی اس جسارت کا اعتراف ہے۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہونا مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں اس معاملہ میں احساسات کا آئینہ اور جذبات کا آبگینہ انتہائی نازک ہے جب کبھی

نعت گوئی کا تصور کیا۔ دل کانپ اٹھا، ایک حقیر انسان اور سرورِ کائنات کی تعریف و ثنا ــــــ "گستاخ انکھیں کتھے جا اڑیاں" ــــــ اس عنوان سے جو کچھ لکھا، روح کی تحریک پر لکھا اور اس آرزو کے ساتھ لکھا ہے کہ انہی کی رحمۃ اللعالمینی کے سہارے یہ شب و روز بسر ہو رہے ہیں۔ اللہ رب العالمین اور محمد رحمۃ العالمین بحمد اللہ ان دو آستانوں کے بعد، کسی تیسرے آستانے پر جھکنے کی حاجت ہی نہیں رہتی ہے۔

سیاسی اور ذکا ہی نظموں کے پیراہن میں جو کچھ بھی ہے وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ ان نظموں کا ایک ایک ٹانکہ بول رہا ہے۔ اس باب میں جو کچھ لکھا، اسلام کے لئے لکھا۔ ملک کی پکار پر لکھا اور توحید و سنت کے خیال سے لکھا۔ الفاظ میرے ہیں روح اسلام کی ہے۔ اگر ان نظموں کے کسی حصے میں کوئی سنگینی، تلخی یا ترشی ہے تو وہ سب مری روح کا احتجاج ہے۔ اور یہ احتجاج اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ شرعی مقامروں اور سیاسی مجاوروں کی جماعت، عام طور پر یہی زبان سمجھتی ہے۔ اقبال نے انہی بدنام کنندگان نکو نامے چند۔ کے خدوخال کو اپنے فکر کی ترازو میں تولتے ہوئے کہا تھا ؎

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

"چہ قلندرانہ گفتم" میں یہی روح کارفرما ہے۔

یکم جنوری ۱۹۶۶ء

ــــــ شورش کاشمیری ــــــ

لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ

کلیدِ حمد و ثنا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ — خلاصہ ہائے دُعا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
پہیلیاں ہیں فقیہوں کے دین کی شرحیں — قلندروں کی صدا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
حیات و موت کو آسان کر لیا مَیں نے — بنا کے راہ نما لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
بہ پیش دبدبۂ خسروانِ تیغ بدست — زباں پہ آہی گیا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
ہمہ خیال فسانہ، ہمہ دلیل غلط — بنائے ارض و سما لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
نثار سیّدِ کونین پر مرے ماں باپ — سبق دیا بھی تو کیا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
نظر پڑی جو کہیں بارگاہِ سُلطانی — دماغ و دل نے کہا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ
ڈرا رہے ہیں مجھے سرکشوں کے ہنگامے — مگر ہے میری نوا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ

مَیں اِس چمن میں غریب الدیار ہوں شورشؔ
مری دُعائے رسا لاَ اِلٰہ اِلاّ اللہ،

الہ العالمین

کرم ایسا کیا اے مالکِ کون و مکاں تُو نے
کہ ہم پر سہل کر دی گردشِ ہفت آسماں تُو نے

اُٹھایا ایک لفظِ کُن سے یہ ہنگامۂ عالم
کیا اُمّی لقب کو سرورِ کون و مکاں تُو نے

ہمیں کونین میں خیرالامم کا مرتبہ بخشا
بنا کر اُمّتِ پیغمبرِ ہر دو جہاں تُو نے

ہم ایسے خاک کے ذرّوں کو مہر و ماہ کر ڈالا
بہ فیضِ خواجۂ کونینؐ اے ربِّ جہاں تُو نے

بڑا اعزاز ہے ختم الرسلؐ کی چاکری بخشی
خلیلؑ اللہ کے گھر کا بنا کر پاسباں تُو نے

بڑھا کر ایک مشتِ خاک کو انساں بنا ڈالا
بنائے اس کی خاطر پھر زمین و آسماں تُو نے

ہم ایسے ناتوانوں کو گلیم بوذری دے کر
بنایا اس جہانِ رنگ و بُو کا رازداں تُو نے

تیرے بندے شہنشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے
کیا دانشورانِ دیں کو بھی آتش بجاں تُو نے

اب اس اِنعام سے بڑھ کر کوئی اِنعام کیا ہوگا
کیا شورش کو حمد و نعت میں رطب اللساں تُو نے

کرمِ خاص

جب سے خیالِ یار کی رہ اختیار کی
عنقا ہوئی ہے فکر یمین و یسار کی

اِس کے کرم نے زندۂ جاوید کر دیا
ہم پر نظر ہے رحمتِ پروردگار کی

جاں وقف کر چکا ہوں محمدؐ کے نام پر
یہ ہے دلیل خاص میرے افتخار کی

ادنیٰ تریں غلام رسالتمآبؐ ہوں
جچتی نہیں ہے بات کسی شہریار کی

اُس در پہ جا رہا ہوں دل و جاں لیئے ہوئے
حاجت نہیں ہے زندگیٔ مستعار کی

وابستگیٔ سرورِ کونین کے بغیر
بنتی نہیں قلندرِ سلطاں شکار کی

رکھیں گے لاج شافعِ کونینؐ بالضرور
روزِ حساب شورشِ عصیاں شعار کی

آرزو

اگر اُم القریٰ میں خالقِ کونین نے شورش
بہ عہدِ احمدِ مرسل مجھے پیدا کیا ہوتا
حرا کی خاک میں تحلیل میرے جسم و جاں ہوتے
مری لوحِ جبیں پر آپ ہی کا نقشِ پا ہوتا
قدومِ سرورِ کونین کی عظمت بحمد اللہ
میں خاکِ رہگذر ہوتا تو پھر بھی کیمیا ہوتا
دماغ و دل چمک اُٹھتے رخِ پُرنور کی ضو سے
نظر اُٹھتی جہاں تک جلوہ خیر الوریٰ ہوتا

بہر عنوان اُس ذاتِ گرامی پر نظر رہتی
کبھی اُن پر کبھی اُن کے غلاموں پر فدا ہوتا
رسولؐ اللہ کے ادنیٰ غلاموں کی ثنا لکھتا
کلام اللہ کے الفاظ میں نغمہ سرا ہوتا
شہنشاہوں کے تخت و تاج میرے پاؤں میں ہوتے
مرا سر سیّد الکونینؐ کے در پر جھکا ہوتا
خُداوندانِ دولت کے گریباں پھاڑ دیتا مَیں
محمدؐ کی قسم قرآں کے پرچم گاڑ دیتا مَیں

محمدؐ عربی

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم صلی اللہ علیک وسلّم
تیرے ثنا خواں عالم عالم صلی اللہ علیک وسلّم

ہم ہیں تیرے نام کے لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم صلی اللہ علیک وسلّم

تیری رسالت عالم عالم تیری نبوّت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم صلی اللہ علیک وسلّم

دیکھ تری اُمّت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدھم مدھم صلی اللہ علیک وسلّم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیا کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پُرنم پُرنم صلی اللہ علیک وسلّم

قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے مَیں دیکھ رہا ہوں،
نوحہ، نوحہ، ماتم ماتم صلی اللہ علیک وسلّم

اے آقا اے سب کے آقا ارض و سما ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پہ مرہم مرہم صلی اللہ علیک وسلّم

بارگاہِ رسالتمآبؐ

اِک شخص سراپا رحمت ہے، اِک ذات ہے یکسر نورِ خدا
ہم ارض و سما کو دیکھ چکے لیکن کوئی اُسؐ جیسا نہ ملا
سجدے تھے جبیں تک آپہنچے یثرب کی زمیں تک آپہنچے
ہم عینِ یقیں تک آپہنچے، اے صلِّ علیٰ، اے صلِّ علیٰ!
اُس ذاتؐ پہ حجّت ختم ہوئی، نبیوں کی شہادت ختم ہوئی
یعنی کہ نبوّت ختم ہوئی، پھر کوئی نہ اُس کے بعد آیا
سُورج نے ضیا اُس چشم سے لی، اُس نطق سے غنچے پھول بنے
اُٹھّا تو ستارے فرش پہ تھے، بیٹھا تو زمیں کو عرش کیا
اُس نورِ مجسّم سے پہلے، اُس ذاتِ مکرّمؐ سے ہٹ کر
تاریخ کے ظلمت زاروں میں جو عُقدہ تھا عُقدہ ہی رہا

ہم ایسے فقیروں کی زد میں دولت بھی رہی حشمت بھی رہی
اُس دَر سے ہمیں جب نسبت ہے، دارا و سکندر چیز ہیں کیا

سیرت کے درخشاں موتی ہیں، اصحابِ مدینہ رولتے ہیں
سینا پہ گئے تو کچھ نہ مِلا، جو کچھ بھی مِلا یثرب سے مِلا

جب دوش پہ گیسو کھلتے ہیں والّیل کی شرحیں ہوتی ہیں
لولاکَ لما کے سانچے میں اِک نورِ مجسّم ڈھل کے رہا

اونٹوں کے چرانے والوں نے اُس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تخت کو روندا، کسریٰ کا گریباں چاک کیا

اُس نام کی عظمت عرش پہ ہے، اس شخص کا چرچا فرش پہ ہے
وہ ذات ﷺ نہیں تو کچھ بھی نہیں قرآن کی ہر آیت سے کھلا

بطحا کے مسافر دیکھ کے چل یہ اُس کے نقوشِ پا ہی تو ہیں
تاریخ کے لالہ زاروں میں از غارِ حرا تا کرب و بلا

کیا بات کہی ہے مرشدؒ نے اللہ کی اُن پہ رحمت ہو
"سبحان اللہ ما اجملک ما احسنک ما اکملک
کتھے مہر علیؒ کتھے تیری ثنا گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں"

میلادالنبیؐ

خلق ہوئے کونین کے مولا — صلی اللہ علیہ وسلم
خالق خود ہیں والہ و شیدا — صلی اللہ علیہ وسلم
نور سراسر حسن سراپا — صلی اللہ علیہ وسلم
دونوں جہاں کے ملجا و ماویٰ — صلی اللہ علیہ وسلم
فرش سے لے کر عرش کی حد تک — ذکرِ ازل سے یومِ ابد تک
سب سے افضل سب سے اعلا — صلی اللہ علیہ وسلم
رحمتِ باری جھوم رہی ہے — روئے منور چوم رہی ہے
آگیا کالی کملی والا — صلی اللہ علیہ وسلم
گردشِ دوراں زیرِ قدم ہے — گردنِ میر و سلطاں خم ہے

ارض و سما میں ہمہمہ اُس کا　　صلّی اللہ علیہ وسلّم
کھینچ دیا توحید کا نقشہ　　بج کے رہا اسلام کا ڈنکا
تختِ ثریٰ سے تا بہ ثریا　　صلّی اللہ علیہ وسلّم
طنطنۂ جم ، غلغلۂ کے　　فرِّ سکندر، حشمتِ دارا
ڈوب گیا اِک اِک کا ستارہ　　صلّی اللہ علیہ وسلّم
عرشِ بریں سے فرش زمیں تک　　فرش زمیں سے عرش بریں تک
صلّی علیٰ کا شور ہے برپا　　صلّی اللہ علیہ وسلّم
شورش ہم آشفتہ سروں کا　　اس دُنیا میں کوئی نہیں ہے
اُن کا بھروسا اُن کا سہارا　　صلّی اللہ علیہ وسلّم

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

قلم سے پھول کھلیں، نطق دُرفشاں ٹھہرے — وہاں چلا ہوں جہاں گردشِ زماں ٹھہرے
وہ آستاں کہ ارادت سے مہر و ماہ جھکیں — وہ خاکِ پاک کہ ہر ذرّہ کہکشاں ٹھہرے
ہوائے کوچۂ محبوب، شکریہ تیرا — ترے کرم سے بیاباں بھی گلستاں ٹھہرے
یہ فکر دائرے بُنتی رہی خلاؤں میں — کوئی تو بات بہ عنوانِ ارمغاں ٹھہرے

تمام عمر مدینہ میں سونے والے کو — کہاں کہاں سے پکارا، کہاں کہاں ٹھہرے
کبھی نظیریؔ و فیضیؔ کی خوشہ چینی کی — کبھی نظامیؔ و خسروؔ کے ہمزباں ٹھہرے
کبھی عراقیؔ و عطارؔ سے نوا مانگی — کبھی ظہوریؔ و قدسیؔ کے رازداں ٹھہرے
نظر جمی کبھی حسانؔ کے قصیدوں پر — کبھی قبیلۂ عشّاق کا نشاں ٹھہرے
لوائے مہر علی شاہؒ کو دوش پر رکھ کر — دیارِ گنج شکرؒ میں بھی میہماں ٹھہرے
جنوں کا درس لیا بو علی قلندرؒ سے — غزل سرائیِ حافظؒ کے ترجماں ٹھہرے

دیارِ شعر میں سعدیؒ کی ہمنوائی کی
نہ ماوری ؟ کہیں پہنچے نہ درمیاں ٹھہرے

ادب میں مرشدِ رومیؒ سے اکتساب کیا
وہ اس گروہ میں سرخیلِ عاشقاں ٹھہرے

غرض کہ اس درِ مشکل کشا تک آپہنچے
وہ ایک در کہ جہاں دورِ آسماں ٹھہرے

بہ بارگاہِ رسالت یہ ارمغانِ فقیر
بڑا کرم ہو جو مقبول و کامراں ٹھہرے

سلام اُن پہ کہ جن سے ہے نظمِ کون و مکاں
سلام اُن پہ کہ جو شاہِ دو جہاں ٹھہرے

سلام اُن پہ کہ جن کا نہیں مثیل کوئی
سلام اُن پہ کہ جو ہادیٔ زماں ٹھہرے

سلام اُن پہ جو ہم بے کسوں کی منزل ہیں
سلام اُن پہ کہ جو میرِ کارواں ٹھہرے

غرض کہ اُن پہ درود و سلام کی بارش
جو ہر زمیں کے لئے ابرِ دُر فشاں ٹھہرے

جنونِ عشق اسی آستاں پہ لے آیا
جبینِ شوق جہاں سنگِ آستاں ٹھہرے

جنہیں شعور نہ تھا عقدۂ حیات ہے کیا
اس اک نگاہ کے صدقہ میں رازداں ٹھہرے

وہ لوگ تھا جنہیں بے دستِ و پائی کا شکوہ
اسی کے در کی غلامی سے تیغ راں ٹھہرے

ازل کے دن سے مشیت کی مصلحت تھی یہی
کہ خاکِ طیبہ محمدؐ کا آستاں ٹھہرے

چہ خوش مقام - مقامِ محمدؐ عربی ایست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو الہبی ایست

نصیب در رہوں بہت عشقِ مصطفےٰؐ کی قسم
کہ یہ جنوں بھی بڑی چیز ہے خدا کی قسم

زمیں کا عجز انہیں کے قدم کا صدقہ ہے — فلک کے چہرۂ پُرنور و پُرضیا کی قسم
سمندروں میں عمق ان کے فکر و دانش کا — ازل سے لے کے اَبد تک کے رہنما کی قسم
بدل گئے کبھی تیور تو آسماں کانپا — کلام پاک کی آیاتِ دل کشا کی قسم
کھُلی ہیں اُن پہ غیاب و حضور کی راہیں — نظامِ عالمِ اِنساں کے ارتقا کی قسم

بہ آں گروہ کہ از عشق مصطفےٰ مستند
سلامِ ما برسانید ہر کجا ہستند

یا سیّد الابرار

ہم ہیں ترے الطاف کی دولت کے خریدار — یا سیّد الابرار
جینے نہیں دیتے ہمیں اسلام کے غدّار — یا سیّد الابرار
ہے ذات تری باعثِ تخلیق دو عالم — اے عظمتِ آدم
جھکتے ہیں ترے در پہ جہانگیر و جہاندار — یا سیّد الابرار
ہو کیوں نہ تری حلقہ بگوشی پہ ہمیں ناز — کچھ کم ہے یہ اعزاز
ہے تیرے سوا کون فقیروں کا طرفدار — یا سیّد الابرار
عاجز ہوں مگر تیری طرف دیکھ رہا ہوں — خاکِ کفِ پا ہوں
کونین کی دولت ہے ترا سایۂ دیوار — یا سیّد الابرار
ناموس فروشوں نے بہت وار کئے ہیں — الزام دیے ہیں
لیکن نہ مٹا ولولۂ لشکرِ احرار — یا سیّد الابرار
اے شافعِ محشر تری عظمت کی قسم ہے — سب تیرا کرم ہے

بے داغ ہے شورش کا اگر دامنِ کردار — یا سیّد الابرار
بیجا ہو جو خامہ تو مجھے زیر و زبر کر، — محروم نظر کر
یہ جرم کیا ہو تو جہنّم کا سزاوار — یا سیّد الابرار
یہ حشر سرا پردۂ یثرب کے مکیں دیکھ، — حالاتِ حزیں دیکھ
انگریز کے جاسوس ہیں اسلام کے معمار — یا سیّد الابرار
حق بات کے اظہار سے رُکتا نہیں شورش — جھکتا نہیں شورش
مومن کے لئے ہیچ ہے خوفِ رسن و دار — یا سیّد الابرار

★

قلم کا مؤقف

جب قلم نعتِ پیمبرؐ میں رواں ہوتا ہے
ہر گنہگار کو بخشش کا گماں ہوتا ہے

ان کی تعریف و ثنا پر نہیں انساں قادر
اُن کے اوصاف کا اظہار کہاں ہوتا ہے

بہرِ تبریک نکل آئے ملائک کے جنود
کہ بلند آج محمدؐ کا نشاں ہوتا ہے

دست بستہ چلے آتے ہیں غلامانِ رسولؐ
جیسے اِک قافلۂ کاہکشاں ہوتا ہے

جن کو ملتی ہے محمدؐ کی غلامی کی سند
مہرباں اُن پہ خداوندِ جہاں ہوتا ہے

جس طرف سرورِ عالم کے قدم اُٹھتے ہیں
جلوہ اللہ کی قدرت کا عیاں ہوتا ہے

جھوم اُٹھتی ہے وہاں رحمتِ یزداں شورشؔ
ذکرِ سرکارِ دو عالم کا جہاں ہوتا ہے

حاصلِ کونین

جہاں سجدہ کناں ہونے سے ایماں تازہ ہوتا ہے
رسُولِ اللہ کے دربار کا دروازہ ہوتا ہے
جہاں کیا چیز ہے دونوں جہاں اُس ذات پر قرباں
خدا کی ذات کا اس ذات سے اندازہ ہوتا ہے
جنابِ آمنہ کے لختِ دل تشریف لاتے ہیں
پریشاں لشکرِ کفار کا شیرازہ ہوتا ہے
رسالتؐ کے پھریروں کی اڑانیں رُک نہیں سکتیں
بہر عنواں بلندِ اِسلام کا آوازہ ہوتا ہے
ہم ان کی راہ میں کچھ اس طرح قربان ہوتے ہیں
کہ آرائش کو اپنے ہی لہُو کا غازہ ہوتا ہے
غلامانِ محمدؐ مشرق و مغرب میں پھیلے ہیں
اسی سے وسعتِ اسلام کا اندازہ ہوتا ہے
محمدؐ کے سوا کون و مکاں میں کچھ نہیں شورشؔ
کلام اللہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے

دربارِ مصطفےٰ

خود ربِّ دو جہاں ہیں خریدارِ مصطفےٰ
دیکھے تو کوئی گرمیٔ بازارِ مصطفےٰ

لاؤں کہاں سے شہپرِ جبریل کی اُڑان
دل کھنچ رہا ہے جانبِ دربارِ مصطفےٰ

ڈھلنے لگی ہے سورۂ واللیل میں صبا
کھلنے لگے ہیں گیسوئے خمارِ مصطفےٰ

پیرِ مغاں! سنبھل کہ ادب کا مقام ہے
آتے ہیں میکدہ میں قدح خوارِ مصطفےٰ

غارِ حرا سے کرب و بلا کے مقام تک
دیدہ وروں پہ فاش ہیں اسرارِ مصطفےٰ

قرآں کی آیتوں میں سراپا ڈھلا ہوا
تمثیل بے مثال ہے کردارِ مصطفےٰ

سجدوں کی چاندنی سے جبینیں نکھر گئیں
آنکھوں میں بس گئے در و دیوارِ مصطفےٰ

شورشؔ بہ فیضِ خواجۂ کونین دیکھ لوں
جی چاہتا ہے کوچہ و بازارِ مصطفےٰ

عزمِ سفر

نقدِ جاں لے کے چلو دیدۂ تر لے کے چلو　　گھر سے نکلو تو یہی رختِ سفر لے کے چلو
سامنے سرورِ کونین کا دروازہ ہے　　کوئی تو بات بہ عنوانِ دگر لے کے چلو
نعت گوئی کی تمنّا ہے تو اِس کوچہ میں　　رومیؔ و جامیؔ و قدسیؔ کا اثر لے کے چلو
حسن کہتا ہے رہِ رسمِ ادب مانع ہے　　شوق کہتا ہے عقیدت کے ثمر لے کے چلو
دِن نکل آئے گا دامانِ مہ و انجم سے　　رات کٹ جائے گی فرمانِ سحر لے کے چلو
منزلِ دوست تمہیں عزّ و شرف بخشے گی　　دامنوں میں دُرِ مقصودِ سفر لے کے چلو
ہم نوائی کو ملائک کے جنود آئیں گے　　پیشوائی کے لیے شمس و قمر لے کے چلو

شورشؔ اُس رحمتِ کونین کے دروازے پر
آ ہی پہنچے ہو تو بخشش کی خبر لے کے چلو

مدینہ کے مُسافر

رسالت کے عَلم لہرا رہے ہیں حدی خوانوں کے جمگھٹ گا رہے ہیں
فضا میں روشنی پھیلا رہے ہیں مدینہ کے مُسافر جا رہے ہیں

ثنا کا ہمہمہ چاروں طرف ہے دلِ پیر و جواں اس کا ہدف ہے
یہ سبحان اللہ کیا عزّ و شرف ہے مدینہ کے مُسافر جا رہے ہیں

ہر اِک دُکھ کا مداوا آ گیا ہے زہے ملجا و ماویٰ آ گیا ہے
خوشا قسمت بلاوا آ گیا ہے مدینہ کے مُسافر جا رہے ہیں

نگاہیں شہرِ رحمت بار پر ہیں نبیؐ کے کوچہ و بازار پر ہیں
رسُول اللہ کے دَربار پر ہیں مدینہ کے مُسافر جا رہے ہیں

کرم کُن خسروِ عالم پناہے چہ نسبت خاک را با پادشاہے
”نگاہے یا رسُولؐ اللہ نگاہے“ مدینہ کے مُسافر جا رہے ہیں

یہ عشق و عاشقی کا مرحلہ ہے زمیں سے آسماں تک غلغلہ ہے

یہ سب اس کی غلامی کا صلہ ہے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

مدینہ چشمۂ صدق و صفا ہے
مدینہ منبعِ جود و سخا ہے
مدینہ جلوہ گاہِ مصطفےٰ ہے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

یہ سارے ولولے اسلام سے ہیں
محمد مصطفےٰ کے نام سے ہیں
خلیل اللہ کے پیغام سے ہیں
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

دماغوں میں سرورِ جاوداں ہے
ادب! اے دل! ادب گاہِ جہاں ہے
شہِ کون و مکاں کا آستاں ہے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

نثار اُس آستاں پر دیدہ و دل
نظر آنے لگے آثارِ منزل
"الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل"
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

سلام اے قاصدِ فرخندہ گامے
سلام اے سرورِ عالی مقامے
سلامے یا رسول اللہ سلامے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

اندھیری رات کٹتی جا رہی ہے
سیاہی ہے کہ چھٹتی جا رہی ہے
مئے توحید بٹتی جا رہی ہے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

زباں پر حمدِ ربِّ عزّ و جل ہے
یہ مصرع حاصلِ دورِ غزل ہے
مدینہ کعبۂ علم و عمل ہے
مدینہ کے مسافر جا رہے ہیں

نعتِ پیمبرؐ

جی چاہتا ہے نعتِ پیمبرؐ لکھا کروں
جب تک جیئوں رسولِ خداؐ کی ثنا کروں

یہ آرزو ہے گنبدِ خضریٰ کے آس پاس
شاہِ اُمَمّ سے عرضِ تمنّا کیا کروں

قیدِ حیات، ذوقِ طلب، قصّۂ وصال
اب ان میں کیا دھرا ہے انہیں لے کے کیا کروں

یہ جُرم مجھ فقیر سے ہو گا نہ حشر تک
اربابِ اختیار کی مدح و ثنا کروں

اس سے بڑا گناہ نہیں اس زمین پر
جو لوگ راہزن ہیں انہیں راہنما کروں

چھیڑوں کسی طریق سے افسانۂ نیاز
شعر و سخن کے رُوپ میں ذکرِ وفا کروں
میری طرف سے ماضیٔ مرحوم کو سلام
ترکِ وفا کے بعد بھی عہدِ وفا کروں؟
بیکار مخمصے ہیں فراق و وصال کے
کب تک زبانِ کلک کو شکوہ سرا کروں
کب تک کروں مَیں خنجرِ قاتل کا احترام
کب تک ستم گروں کے غضب سے ڈرا کروں
کب تک سفینہ ہائے وفا ڈوبتے رہیں
کب تک مَیں ناخدا کا خُدا سے گِلا کروں

اس آرزو کے بعد کوئی آرزو نہیں
شورشؔ خدا کے خوف سے دِل آشنا کروں

عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

ہوں مرے ماں باپ قرباں اس مقدس نام پر
عائشہ کے سینکڑوں احسان ہیں اسلام پر

جس کی عصمت کی گواہی دی کلام اللہ نے
جس کی غیرت کے نشاں ہیں دامنِ ایام پر

جس کو بخشا تھا پیمبر نے حمیرا کا لقب
مہر و مہ کی رونقیں قرباں اُس کے نام پر

جس کے فرزندوں نے سیلِ بیکراں کے رُوپ میں
اپنی سطوت کے علم لہرائے رومؔ و شامؔ پر

جس پہ باندھا تھا خدا کے دشمنوں نے اتہام
آج تک انسان شرمندہ ہے اس الزام پر

سیّد الکونینؐ کی سیرت کا نُورانی ورق
جیسے صیقل جگمگاتی ہو دلِ صمصام پر

ہم گنہگاروں کا شورشؔ کون ہے ان کے سوا
خواجۂ کونینؐ کی رحمت ہے خاص و عام پر

مقامات

عجیب شے ہے کہ جس شے سے بہرہ یاب ہوں مَیں
مرا زمانہ فلک ہے تو آفتاب ہوں مَیں

کچھ اس طرح سے مرتّب ہے کاروانِ حجاز
بلالؓ و بوذرؓ و سلمانؓ کے ہمرکاب ہوں مَیں

مرے قلم پہ ہے مولائے روم کا پرتو
حکیمِ شرقؒ کے سینہ کا پیچ و تاب ہوں مَیں

نظامِ نو کی روش پر ہوں اِذنِ آزادی
جہانِ پیر میں آوازۂ شباب ہوں مَیں

سمجھ چکا ہوں مقاماتِ عاشقی کیا ہیں
یہ جانتا ہوں کہ عنوانِ انقلاب ہوں مَیں

مجھے خطاب کی حاجت نہیں خطاب ہے کیا
خطیبِ احمدِ مُرسلؐ ہوں باخطاب ہوں مَیں

زباں دراز فقیہو! مری طرف دیکھو
کہ بارگاہِ رسالتؐ میں باریاب ہوں مَیں

اِنعاماتِ ایزدی

حلقہ بگوشیِ شہِ کونینؐ کے طفیل
شورشؔ مرے خدا نے کیا مجھ کو سربلند
اُس بارگاہِ قدس سے بخشا گیا مجھے
ذوقِ سلیم، طبعِ رسا، قلبِ دردمند
رُوندا ہے اپنے پاؤں میں شاہوں کا دغدغہ
عہدِ سلف کے فقر و غنا پر ہوں کاربند
میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل
میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند
تحسین و مرحبا کی صدا گونجتی رہی
اس شان سے بسر کئے ایّامِ قید و بند
میر و وزیر میری نظر میں ہیں مُشتِ خاک
پہنچا سکی نہ گردشِ دوراں مجھے گزند

دل میں بسا کے خوفِ خداوندِ ذُوالجلال
پھینکی ہے مَیں نے مہرِ جہانتاب پر کمند
رہتا ہوں حاسدوں کے لئے تیغِ بے نیام
ہوتا ہوں دوستوں میں سراپا نیازمند
یہ اس لئے کہ ایک خدا پر ہے اعتقاد
جس ذاتِ لاشریک کی چوکھٹ ہے سُودمند
میرے قلم نے تیغِ برہنہ کے رُوپ میں
توڑا ہے خاندان فروشوں کا بند بند
اس کارگاہِ جہد میں شیرانِ غاب کو
ثابت کیا سیاستِ ماضی نے گوسفند
اس نظم سے حقائقِ سربستہ واشگاف
طامات تا کجُا و خرافات تا بہ چند
لکھتا ہوں نعتِ سرورِ کونین روز و شب
شورش مجھے قصیدہ نگاری ہے ناپسند

افتخار

میرے اس افتخار کو پائندہ کر دیا
یا ربّ ترے کرم نے مجھے زندہ کر دیا

کر کے عطا جنونِ دو عالم کی وسعتیں
مجھ ذرّۂ حقیر کو رخشندہ کر دیا

اقبالؔ کی زمیں سے اٹھایا مرا خمیر
اس ارضِ پاک کا مجھے باشندہ کر دیا

باغ و چمن ہیں میری نوا ریزیوں سے مست
دار و رسن کا مجھ کو نمائندہ کر دیا

شورشؔ مرے قلم نے بہ عنوانِ رنگ و نور ؟
اہلِ زباں کے لوچ کو شرمندہ کر دیا

گجرِ دم

چاروں طرف اِک ہمہمۂ حمد و ثنا ہے ——— ہنگامِ دُعا ہے
اللہ کے اذکار سے پُر نُور فضا ہے ——— گلزار کھِلا ہے

روزوں کا مہینہ ہے عبادت کا نگر ہے ——— پُر کیف سفر ہے
ہم جیسے فقیروں کی دعاؤں میں اثر ہے ——— رحمت کی نظر ہے

رندانِ تہی دست سبُو لے کے چلے ہیں ——— کیا پھُول کھِلے ہیں
کونین کے مالک کی عبادت کے صِلے ہیں ——— اِنعام مِلے ہیں

جب اُس کی اطاعت ہے تو پھر خوف و خطر کیا ——— شاہوں کی نظر کیا
مومن کے لئے ضربتِ اندیشۂ زر کیا ——— انسان کا ڈر کیا

یہ کون سرِ راہگذر سوچ رہا ہے ——— مبہوت کھڑا ہے
حالات یہ کہتے ہیں عجب وقت پڑا ہے ——— ہر شخص خدا ہے

اس شہرِ خرابات کے احکام نئے ہیں ——— پیغام نئے ہیں
صیّاد پُرانے ہیں مگر دام نئے ہیں ——— الزام نئے ہیں

بے حال کیا معرکۂ روح و بدن نے ——— احوالِ چمن نے
چرکے بھی لگائے ہیں عزیزانِ وطن نے ——— یارانِ کہن نے
اے اہلِ قلم میں تو قلم توڑ رہا ہوں ——— سر پھوڑ رہا ہوں
رہوارِ خطابت کی عناں چھوڑ رہا ہوں ——— رُخ موڑ رہا ہوں

"اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دُعا ہے
اُمّت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے" (حالی)

رسالتمآبؐ کا فیض

جب کوئی شخص مدینہ کو رواں ہوتا ہے
اس پہ اللہ کی رحمت کا نشاں ہوتا ہے

کاش مَیں بھی کبھی دربارِ نبیؐ تک پہنچوں
ہر برس قافلۂ شوق رواں ہوتا ہے

نعت گوئی کے عوض حمد و ثنا کے باعث
ہر سیہ کار کو بخشش کا گماں ہوتا ہے

مرتبہ اُنؐ کا مرے زورِ بیاں سے باہر
تذکرہ اُنؐ کا سرِ کون و مکاں ہوتا ہے

اُنؐ کے دروازے پہ جبریلؑ چلے آتے ہیں
اُنؐ کی چوکھٹ پہ فلک سجدہ فشاں ہوتا ہے

دوستو آؤ مدینہ کی طرف ہم بھی چلیں
کعبۃ اللہ کی قسم بخت جواں ہوتا ہے

حاضری ہو تو کروں دیدہ و دل کی باتیں
ہجر کی راہ میں جینا بھی گراں ہوتا ہے

نعت لکھتے ہو تو یہ اُن کا کرم ہے شورش
ورنہ ہر شخص پہ یہ فیض کہاں ہوتا ہے

آخری آرزو

کہاں تک داستانِ دردِ دل دردِ جگر لکھوں
اگر لکھوں تو حیراں ہوں کہ کس عنوان پہ لکھوں

بہت دن گمشدہ یادوں کا مَیں نے تذکرہ لکھا
کہاں تک نظم میں افسانۂ شام و سحر لکھوں
مقدر کا نوشتہ تھا دلِ مرحوم کا ماتم
اب اِس پر اَور کیا بارِ دگر بارِ دگر لکھوں
پریشاں حال ہوں مولائے یثرب چارہ سازی کر
زمانہ مقتضی ہے رہزنوں کو راہبر لکھوں
خطابت کے بہت سے معرکے سَر کر لئے مَیں نے
سیاسی تذکرے کب تک قلم کو توڑ کر لکھوں
بحمداللہ قصائد کی زباں آتی نہیں مجھ کو
عزیزانِ گرامی قدر عرض مختصر لکھوں
بس اتنی آرزو ہے عمر کی اس آخری رَو میں
خدا توفیق دے، میں سیرتِ خیرالبشرؐ لکھوں

فی سبیل اللہ فساد

بریلی کے علمائے تکفیر پنجاب مرحوم کے بعض شہروں میں زبان درازی کی اس حد پر آگئے تھے کہ ان کے نزدیک حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رح، شیخ الاسلام رشید احمد گنگوہی رح، شیخ الحدیث علامہ انور شاہ رح، شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رح، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح، شیخ التفسیر مولانا احمد علی رح، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رح، اور انتہا یہ ہے کہ رئیس المجاہدین شاہ اسمٰعیل شہید رح بھی کافر و ملحد تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ان خود فروش واعظوں کا یہ سلسلہ سب و شتم تحریری و تقریری میرے سامنے آیا تو انتہائی صدمہ اور اس کے ساتھ تعجب ہوا کہ اس قسم کی خود کاشتہ فصل بھی یہاں موجود ہے چنانچہ مندرجہ ذیل ۲۹، اشعار اس محاسبہ کا حرف آغاز تھے، جو اس خانوادہ تکفیر کی مدارات کے لئے اس آرزو کے ساتھ بے اختیار زبان پر آگئے تھے ؏

شاید کہ اُتر جائے کسی دل میں مری بات

۰

دل میں اگر ملال نہ لائیں بریلوی
باتیں کروں گا اُن سے یقیناً کھری کھری

کافر گری کی رسم پہ نازاں ہے کون شخص
کس خاندانِ علم کا شیوہ ہے بت گری

تکفیر کس کے منبر و محراب کی دلیل
کس کی زباں ہے دعوتِ ارشاد سے تہی

کھولے ہیں کس نے اپنی قباؤں کے پیچ و خم
رندی گئی ہے کس کے عماموں کی برتری

کھاتا ہے کون دین فروشی کی روٹیاں
بکتی ہے کس دکان پہ شرعِ پیمبری

بنتا ہو کس کی تیغِ جہانماد" کا ہدف
بیتا ہے کس پہ حادثہ چرخِ چنبری

کچھ یاد بھی ہے دین فروشانِ عصرِ نو!
کیوں کر دِلوں سے شرمِ رسولِ خدا گئی

نانوتویؒ پہ کفر کا فتویٰ؟ حیا کرو!
توہین کر رہا ہے رسالت کی تھانویؒ؟

دشنام ہو گئے ہیں کمالاتِ دیوبند
تضحیک کا شکار ہیں ایمان و آگہی

ترتیلِ ملحداں ہیں شہیدانِ بالاکوٹ؟
یارانِ خود فروش! یہ اندازِ خود سری؟

احمد علیؒ کی ذات پہ کیچڑ اچھال کر
کرتے ہو ایک عاشقِ صادق کی ہمسری

لاؤ کہاں سے انورؒ و محمودؒ کا جواب
کس پر غرور؟ کس پہ جتاتے ہو برتری؟

کل تک تھے آپ لارڈ کلائیو کے خانہ زاد
پاتے تھے خاندانِ حکومت سے رہبری

کشکول لے کے شرع فروشی کا ہاتھ میں
یہ ذکر و وعظ ہے کہ نوائے گداگری

سی آئی ڈی سے کہنہ روابط کی آڑ میں
لوگوں کے دل میں اپنی بٹھاتے ہو برتری

تم وارثِ سموم و خزاں ہو خدا گواہ
تم سے بنے ہیں گوہرِ شب تاب کنکری

کہتا ہوں صاف صاف خدایانِ ذکر و وعظ!
میری طرف سے دِل پہ لکھو حرفِ آخری

چھوڑا نہ تم نے شیوۂ کافر گری اگر
رولوں گا خاکِ پا میں تمہاری سکندری

ننگا کروں گا تم کو شرافت کے نام پر
حکماً اتار دوں گا نقابِ فسوں گری

نکلوں گا لے کے پرچمِ فاروقِ ذی وقار
دنیا پہ آشکارا ہے میری شناوری

وقت آگیا کہ تیغِ علی بے نیام ہو
خیبر سے بڑھ کے آپ کا فتنہ ہے کُشتنی

آتا نہیں قلم پہ کوئی ناروا خیال
رُکتا نہیں زباں پہ کوئی حرفِ گفتنی

اِس کاروبارِ کُفر پہ شیخ الحدیث ہو؟
یُوں کر رہے ہو دینِ پیمبر کی چاکری؟

یہ بات اور صاف کرو بزدلانِ شہر
کے سال کی ہے ڈپٹی کمشنر کی نوکری؟

کب تک رہے ہو خفیہ وظیفہ سے فیض یاب
جس نے سکھا دیئے تمہیں آدابِ کافری

سوچا بھی ہے کہ آپ کے فتوؤں کی آب و تاب
رکھتی ہے اپنے دامنِ صدچاک میں نمی

کہتا ہے تم سے گنبدِ خضریٰ کا تاجدار
زیبا ہے جس کو دونوں جہانوں کی سروری

نانوتویؒ کی معنوی اولاد کے خلاف
طوفان سب ختم ہے ایماں کی جاں کنی

جو کچھ لکھا ہے، دل سے لکھا ہے خدا گواہ
شورش نہیں یہ محض نواہائے شاعری

۱۷ ستمبر ۱۹۶۲ء

سومناتی

پیرانِ تسمہ پا مجھے شورش کریں معاف ۔۔۔ باتیں کروں گا ان سے یقیناً کھری کھری
ابریشمی عبا پہ ہے بنیادِ اتقا ۔۔۔ زعمِ ورع کے بل پہ ہے موقوف برتری
سوداگرانِ شرحِ رسالت مآبؐ ہیں ۔۔۔ فرزندِ سومنات ہیں مائل بہ داوری
منبر پہ دل فریبیٔ آواز کا فسوں ۔۔۔ محراب کی زباں پہ خطابت کی ساحری
دامن پہ داغ ہائے ریا کی علامتیں ۔۔۔ دل میں نہ سوزِ عشق نہ عرفانِ رہبری
صورت پہ زاہدانہ یبوست کی سلوٹیں ۔۔۔ فطرت میں راہبانہ ارادوں سے ابتری

چاہیں تو ہم کو دار پہ کھینچوا کے دم نہ لیں
شورش بتانِ شرک بہ عنوانِ مخبری

۲۷ ستمبر ۱۹۶۳ء

فرزندانِ بدعت کے نام

اِس فتنۂ جدید پہ خوفِ خدا کرو
یوں بے لگام ہو کے نہ فتوے دیا کرو!

روٹی کی فکر ہے تو چلے گی اِسی طرح
بدعت کے تذکروں کی نمائش کیا کرو!

کیا یہ کہا ہے حضرتِ پیرانِ پیر نے
نور و بشر کی آڑ میں فتنے بپا کرو؟

نانوتوی کی ذاتِ ستودہ صفات پر
کافرگری کے شوق میں تہمت دھرا کرو؟

لہرا کے مشرکانہ رسومات کا علم
تغلیطِ سنتِ شہ ہر دوسرا کرو

درپردہ اقتدار کی شہ ہے تو کیا خطر؟
جو کچھ کرو، ضرور کرو، برملا کرو

اس پر ہے تاجرانہ عقیدت کا انحصار
اربابِ روزگار کی مدح و ثنا کرو

ان بزدلوں کو اس کے سوا اور کیا کہوں
حجروں میں اپنے چاک گریباں سیا کرو

شورش کو آپ جیسے فقیہانِ شہر کی
پروا نہیں ہے شوق سے کافر کہا کرو

۲۴ستمبر ۱۹۶۳ء

مشورہ

عہدِ نافرجام کے آگے نہ جُھک — بندگانِ جام کے آگے نہ جُھک
شہر یاروں پہ کہاں تک اعتماد — نارو ا احکام کے آگے نہ جُھک
مفتری جو بھی کہیں کہتے رہیں — تو کسی الزام کے آگے نہ جُھک
ہیچ ہے اندیشۂ لیل و نہار — گردشِ ایام کے آگے نہ جُھک
سُنّتِ خیر الوریٰ ہی دین ہے — مذہبِ اوہام کے آگے نہ جُھک
یہ تقاضہ ہے اذانِ صبح کا — بُتکدے کی شام کے آگے نہ جُھک
بات بنتی ہے خدا کے خوف سے — معبدِ حکام کے آگے نہ جُھک
حشمتِ اسلام رکھ پیشِ نظر — صَولتِ اصنام کے آگے نہ جُھک
ایرے غیرے بن گئے شیخ الحدیث — لشکرِ بے نام کے آگے نہ جُھک
واعظانِ شہر ہیں بدعت فروش — اس موادِ خام کے آگے نہ جُھک

اُس خُدا نا آشنا سے بچ کے چل
جو کہے اِسلام کے آگے نہ جُھک

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء

بُت خانہ بدعت کے عزیٰ!

چہرے پہ ہے شکن تو زباں پر خروش ہے
منبر پہ لازماً کوئی بدعت فروش ہے

کیا پُوچھتے ہو دیدہ و دل کے مُعاملات
ہر شخص اس دیار میں خانہ بدوش ہے

سوچا بھی ہے کہ آپ ہیں کس سمت گامزن
اے تاجرانِ دینِ ہُدیٰ! عقل و ہوش ہے؟

بے ربط گفت گوُ کو بنا کر اساسِ فکر
لوگوں سے کہہ رہے ہو نوائے سروش ہے

کس بانکپن سے رندِ خرابات نے کہا
یہ ذکر و وعظ سلسلۂ ناؤ نوش ہے

نانوتویؒ پہ کفر کا الزام الاماں!
نانوتویؒ حضورؐ کا حلقہ بگوش ہے

سوداگرانِ دین کے زعمِ خوُدی کی خیر
شورش کی شاعرانہ طبیعت میں جوش ہے

یکم اکتوبر ۱۹۶۲ء

الحق مرّہ

پنجابی کے صوفی شاعر سید بُلّھے شاہ علیہ الرحمۃ کا مشہور مصرع ہے

سچ کہندیاں بھانبڑ مچدا اے

یعنی سچ کہنا خالی از خطرہ نہیں، اس سے آگ بھڑک کر شعلہ جوالہ ہوجاتی ہے ـــ مندرجہ ذیل نظم کا عنوان یہی مصرع تھا۔ "چٹان" کے محاسبہ سے اہلِ بدعت یہاں تک بوکھلا گئے تھے کہ صبح و شام قتل کی دھمکیاں آنے لگیں۔ ان اشعار میں بزدلوں کے انہی خطوط کا عکس پیش کیا گیا ہے ـــ

یہ سوچتا ہوں کہ اے تاجرانِ دین میں
خطا وہ کیا ہے کہ جس پہ مجھے سزا دو گے
مرے خلاف اُبھارو گے سادہ لوگوں کو
بزعمِ خویش مرا نام تک مٹا دو گے
جو بس چلا تو سیاسی لفنڈرے لے کر
مرے خلاف کئی معرکے رچا دو گے

گھروں میں بیٹھ کے منصوبہ ہائے قتل کے بعد
کسی مُرید سے گردن مری کٹا دو گے

مجھے خبر ہے کہ تم ہو بڑے دریدہ دہن،
مَیں جانتا ہوں مری خاک بھی اُڑا دو گے

خُود اپنے دامنِ تکفیر سے ہَوا دے کر
اک آگ منبر و محراب میں لگا دو گے

خطا مُعاف مگر یہ سوال کرتا ہوں
بہ پیشِ داورِ محشر جواب کیا دو گے؟

۸ر اکتوبر ۱۹۶۲ء

شرعی برہمن

(جن کے صنم کدوں کے بُت ہوگئے پُرانے)

ذات ان کی دھوپ چھاؤں، بات ان کی لام، کاف
مجھ پہ ہے بدعت فروشوں کی حقیقت وا شگاف
مَیں یہ کہتا ہوں کہ تکفیرِ مسلماناں غلط
سخت ہوگا اس روش کا انعکاس و انعطاف
ڈال کر ماتھے پہ شکنیں یہ گروہِ مال مست
بول اُٹھتا ہے کہ ہے یہ کافرانہ اختلاف
ان خُدا نا آشنا لوگوں سے میں کیسے کہوں؟
آپ کی باتیں ہیں منشائے پیمبرؐ کے خلاف
لازماً اس راز سے تو آپ بھی ہیں باخبر
سو برس کس نے کیا انگریز کے دَر کا طواف

غوثِ اعظمؒ کی لحد پر حملہ آور کون تھا؟
کس ستمگر نے جلایا اُن کے مرقد کا غلاف
کون تڑپاتا رہا ترکوں کو خون و خاک میں
جی میں آتا ہے کہ لکھوں یہ حقائق صاف صاف
مَیں اُلٹتا ہوں جو ان تاریک چہروں سے نقاب
ناپتے پھرتے ہیں نیزے تان کر میرے خلاف
ٹل نہیں سکتا کبھی شورش قضا کا فیصلہ
کر نہیں سکتی مشیت بد زبانوں کو معاف

۱۸؍اکتوبر ۱۹۶۲ء

٭ یہ نظم مولانا ظفر علی خاں علیہ الرحمتہ کے تتبع میں ہے۔ مرحوم نے اپنی نظم میں انہی کا فرگرانِ عصر حاضر کے خط و خال واضح کئے تھے۔

شرّ الدوابّ عند اللہ

(یہ لوگ اللہ کے نزدیک بد ترین چوپائے ہیں)

زباں بگڑی، قلم بگڑا، روش بگڑی، چلن بگڑا
خود اپنے ہاتھ سے کافر گروں کا پیرہن بگڑا
چلا تکفیر کا جھکڑ کہ شرق و غرب کانپ اُٹھے
اُٹھی دشنام کی آندھی، مزاج اہرمن بگڑا
بریلی کے اصاغر شاتم اُمّت معاذ اللہ!
انہی کے معرکوں کی چوٹ سے دینِ حسن بگڑا
حیا مفقود، غیرت سرنگوں، خوفِ خدا غائب
کچھ اس انداز سے بدعت فروشوں کا چلن بگڑا
یہی وہ لوگ ہیں جو وارثِ احمد رضا خاں ہیں
انہی کی "خوبیٔ گفتار" سے رنگِ چمن بگڑا

کروں طوُلِ سخن تو بات حرفِ ناروا ہو گی
کلام مختصر یہ ہے کہ ہر لات و دشن بگڑا
مَیں اکثر سوچتا ہوں کس طرح سے ان کو سمجھاؤں
یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظمِ انجمن بگڑا
یہی وہ گفت گوُ ہے ناز ہے جس کی بلاغت پر
یہی وہ ہمہمہ ہے جس سے اسلوبِ سخن بگڑا
خُدا کے نیک بندوں کو کہاں تک گالیاں دوگے
کروگے کیا ؟ اگر اس پر خُدائے ذو المنن بگڑا
"لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب"
"زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا"

۱۵ / اکتوبر ۱۹۶۲ء

ؔ اس خاندانِ سب و شتم نے جو اصاغرِ بریلی کے نام سے منسوب ہے جب ایڈیٹر "چٹان" کے خلاف مخش اور فاحش گالیوں کا مظاہرہ کیا، تو یہ اشعار بلا ارادہ زبانِ قلم پر آ گئے ———

بُت خانۂ بریلی

خانقاہوں میں مُریدوں کو نچانے والے

اِک عجب چیز ہیں بدعت کے گھرانے والے

ان کے بس میں ہو تو ناموسِ پیمبرؐ نہ بچے

یہ ہیں طُوفان سب و شتم اُٹھانے والے

پھر کسی کرب و بلا کے لیئے آمادہ ہیں

چادرِ مادرِ حسنینؓ چھُرانے والے

بے دھڑک ہرزہ سرائی پہ اُتر آئے ہیں

شعبدہ بازیٔ تکفیر دکھانے والے

ہم فقیرانِ تہی دست کے مُنہ آتے ہیں

شرک کا مال دُکانوں پہ سجانے والے

کاسہ لیسانِ فرنگی کے نمک خوار قدیم

جشنِ بربادیٔ اِسلام منانے والے

باندھ کر پٹکا نصاریٰ کی رضا جوئی کا
گولیاں ترک جوانوں پہ چلانے والے

کچھ نہیں جانتے اسلام کے معنی کیا ہیں
روٹیاں منبر و محراب کی کھانے والے

ہم موحد ہیں ہمیں نامِ خدا کافی ہے
سر مزاروں پہ جھکاتے ہیں جھکانے والے

مَیں جو چاہوں تو بھرم کھول کے رکھ دوں ان کا
کیا سمجھتے ہیں مصلّوں کے چرانے والے

کیا غضب ہے کہ سرِ عام اُڑے پھرتے ہیں
آگ اسلام کے خیموں میں لگانے والے

ان کے تاریک خدو خال کہاں چھپتے ہیں
داستان ان کی سُناتے ہیں سُنانے والے

قصّہ کوتاہ بڑی اور بُری چیز ہیں یہ
اپنے کاندھے پہ عبا ڈال کے آنے والے

اپنے ہنگامۂ تزویر سے توبہ کر لیں!
آخری وقت ہے تکفیر سے توبہ کر لیں!

عہد

وَمَاتوفیقی اِلّا باللہ

یہ بات صاف سُنو اے اماغِ بدعت
تمہارے شِرک کے ایوان ڈھا کے چھوڑوں گا

جو لوگ سُنّت میں بِ اُمّم سے باغی ہیں
اُنہیں خُدا کے غضب سے ڈرا کے چھوڑوں گا

خدا کی ذات پہ بہتان باندھنے والو!
تمہارے رُخ سے نقابیں اُٹھا کے چھوڑوں گا

نچا رہے ہو مُریدوں کو خانقاہوں میں
یہ رازہ ہر کہ و مہ کو سُنا کے چھوڑوں گا

غریب قوم کی جیبیں تراشنے والو!
تمہیں ضرور ٹھکانے لگا کے چھوڑوں گا

بپھر گئے ہو مزاروں کی روٹیاں کھا کر
تمہارا نام و نشاں تک مٹا کے چھوڑوں گا

زباں دراز فقیہو! یہ بات یاد رہے
تمہاری تو ند کمر سے ملا کے چھوڑوں گا

دل و دماغ پہ یہ بات نقش کر لینا
اُٹھا رہے ہو جو فتنے مٹا کے چھوڑوں گا

تمہاری کھیپ کی فتویٰ فروش نسلوں کو
خدا گواہ! مسلماں بنا کے چھوڑوں گا

کیا ہے عہد رسالت مآبؐ سے میں نے
خدا کا خوف دلوں پر بٹھا کے چھوڑوں گا

جو گالیوں میں یگانہ ہیں ان رذیلوں کو،
نبیؐ کے خُلق کا نقشہ دکھا کے چھوڑوں گا

یہ لوگ شیوۂ کافرگری سے باز آئیں
وگرنہ اُن کی دُکانیں جلا کے چھوڑوں گا

خدا کے دین کا مفہوم و مدّعا کیا ہے
یہ اک سبق انہیں شورشؔ پڑھا کے چھوڑوں گا

صاحبزادہ فیض الحسن کے نام

جو بات حق ہے، اے دلِ دیوانہ چاہیئے — اس کربلا میں ہمّتِ مردانہ چاہیئے

دو ٹوک فیصلہ ہے یہ توحید و شرک کا — اب امتیازِ کعبہ و بت خانہ چاہیئے

ہوگی اسی طرح سے بتوں کی شکست و ریخت — ہر معرکہ میں نعرۂ مستانہ چاہیئے

بدعت فروش ہوں گے یقیناً ذلیل و خوار — یہ شرط ہے کہ عزمِ دلیرانہ چاہیئے

فیض الحسن کے نام ہے یہ نظمِ گوہریں — عنوان اس کا مسلکِ رندانہ چاہیئے

فتوے کی بات چیت ضروری سہی مگر — طرزِ بیاں میں رنگِ فقیہانہ چاہیئے

میں جانتا ہوں مجمعِ زہاد کا مزاج — حجروں میں ان کو جلوۂ جانانہ چاہیئے

پیرِ حیا فروش ہے محبوب در بغل — سادہ دلانِ شہر سے نذرانہ چاہیئے

پہلو میں نازنیں ہو تو اسلام زندہ باد — ورنہ مزاجِ یار فقیرانہ چاہیئے

انسان خود ہے اپنے کمالات کی دلیل — یا پیر! گفت گو تو شریفانہ چاہیئے

ٹوٹے گا اس قلم سے رضا خانیوں کا زعم
شورش! بس ایک ضربِ کلیمانہ چاہیئے

آوازۂ غیب

(میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند)

شورش مجھے بطحا سے ملا ہے یہ اشارا
ڈوبے گا بریلی کے خداؤں کا ستارا

بدعت کے در و بام ہلاتے چلے جاؤ
اللہ نے یا مردِ مومن کو پکارا

بے روک ہیں اِن فتویٰ فروشوں کی زبانیں
اسلاف کی توہین پہ کرتے ہیں گذارا

قرآن کے احکام سے رکھتے نہیں رغبت
توحید کے اذکار سے کرتے ہیں کنارا

میلاد کی محفل ہو تو ناغہ نہیں کرتے
مِلتا ہے مُریدوں سے نن و نوش کا چارا

رندانِ سیہ مست کو حجروں میں بُلا کر
دیتے ہیں مریدانِ تہی دست کو "لارا"

ہر کوچہ و بازار میں کہرام مچا ہے
ان زہد فروشوں نے مسلمان کو مارا

اُمت کے اکابر پہ سب و شتم کی بوچھاڑ ہے
کرتی نہیں اللہ کی غیرت یہ گوارا

پہنچا ہے مجھے حجتہ اسلام کا فرمان
جس نے مرے ایمان کے چہرے کو نکھارا

دل سے مرے ہر خدشۂ فانی کو نکالا
جرأت کو مری عشقِ پیمبر سے سنوارا

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق — نے خوفِ سکندر ہے نہ اندیشۂ دارا

میرے لئے یثرب کی فضا کافی و شافی — تعویذ فروشوں کو بریلی کا سہارا

تکفیر کی بدبُو سے مساجد میں تعفّن — سنڈاس ہے واعظ کے خرافات کا دھارا

گنگوہی کے دامن پہ ہیں الحاد کے چھینٹے؟ — نانوتوی کافر ہے؟ یہ سوچو تو خدارا

اسلام کے باغی ہیں، دیوبند کے بیٹے — کس نے تمہیں اس فتویٰ تراشی پہ اُبھارا

تم اور مرے قتل کی تدبیر بہت خُوب — "آوازِ سگاں کم نہ کند رزقِ گدا را"

پھر یہ نہ شکایت ہو کہ گستاخ ہے شورش

جب میں نے قباؤں کو اُدھیڑا کہ اُتارا

سفیرِ اسلام قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نام

اس زمیں میں اے سفیرِ سنّتِ خیر البشرؐ
تا بہ کے حالاتِ ناہنجار پر سوچا کریں

یہ بھی کوئی بات ہے کافر گروں کے ہاتھ میں
دینِ قیّم کی عناں ہو اور ہم دیکھا کریں

گالیاں اسلاف کو دیتے رہیں بدعت فروش
یہ جہاں چاہیں، جسے چاہیں اُسے رسوا کریں

ان کی بے قابو زبانوں کو نہ ہو کوئی لگام
منبر و محراب پر تکفیر کا غوغا کریں

بند حُجروں میں بتانِ نرم خُو کے ہمرکاب
شب کی تنہائی میں شغلِ بادہ و مینا کریں

آئے دن اپنے بزرگوں کے مقدّس نام پر
یہ نمائندے زبوں پیرانِ تسمہ پا کریں

لوٹ کر سادہ دِلوں کا مومنانہ اعتقاد
اس پہ یہ طرّہ کہ ان کی روٹیاں توڑا کریں

فرض ہے ہم پر کہ اِن نازک ترین حالات میں
باندھ کر سر پہ کفن اشرار کو ننگا کریں

میں قلم کے زور سے ان کا تختہ توڑ دوں
آپ انہیں جادُو بیانی سے تہ و بالا کریں

آپ کو بخشا ہے قدرت نے زباں کا بانکپن
اپنے اس اعجاز سے توحید کا چرچا کریں

اے دبستانِ بخاریؒ کے خطیبِ نامور
اب کہاں تک گردشِ تقدیر کا شکوا کریں

شرک کے نرغہ میں ہے توحید کا جاہ و جلال — یہ دعا دونوں بہ پیشِ خواجۂ بطحا کریں
اے مکینِ گنبدِ خضریٰ ہمیں یہ تو بتا — اُمتِ احمد رضا سے کس طرح نپٹا کریں
التفاتِ خاص کا صدقہ ہمیں توفیق دے — بتکدوں کو توڑ ڈالیں، حشر اِک برپا کریں

ہم تہی دستوں پہ بالاکوٹ کا یہ قرض ہے
شرک کی بنیاد ڈھا دینا ہمارا فرض ہے

قاری محمد طیبؒ مدظلہ العالی، مہتمم دارالعلوم دیوبند

لاہور میں تشریف آوری

اے یادگارِ حلقہ بگوشانِ مصطفےٰ
خوش آمدید! بلبلِ بستانِ مصطفےٰ

اس میں نہیں کلام، دیوبند کا وجود
ہندوستاں کے سر پہ ہے احسانِ مصطفےٰ

تا حشر اس پہ رحمتِ پروردگار ہو
پیدا کئے ہیں جس نے فدایانِ مصطفےٰ

گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتوی کا نام
بانٹا ہے جس نے بادۂ عرفانِ مصطفےٰ

دارالعلوم تیرے بزرگوں کی یادگار
تیرے بزرگ حلقہ بگوشانِ مصطفےٰ

دل میں تھا جن کے خوفِ خداوندِ لایزال
سر پہ تھا جن کے سایۂ دامانِ مصطفےٰ

اس مدرسہ کے جذبۂ عزت سرشت سے
پہنچا ہے خاص و عام کو فیضانِ مصطفےٰ

کافر گروں کی کھیپ ہے اب اس پہ طعنہ زن
جس کا ہر ایک فرد ہے دربانِ مصطفےٰ

یہ کیا غضب ہے دین فروشانِ عصرِ نو
ڈھاتے ہیں دستِ شرک سے ایوانِ مصطفےٰ

ان ظالموں سے عہدہ برآ ہوں تو کس طرح
اس فکر میں ہیں غرق ثنا خوانِ مصطفےٰ

اس کی طرف سے نذرِ محقر قبول ہو
شورشؔ ہے اک غلام غلامانِ مصطفےٰ

نوشتۂ تقدیر

صبا کے روپ میں ہے نظمِ گلستاں مجھ سے
پناہ مانگتی پھرتی ہے اب خزاں مجھ سے
"لگا رہا ہوں مضامینِ تازہ کے انبار"
اُلجھ رہے ہیں بریلی کے بدزباں مجھ سے
جلا رہا ہوں لہو سے چراغ لالہ و گُل
چمن کدوں میں ہے ہنگامۂ فغاں مجھ سے
ہلا رہا ہوں در و بام مفتیانِ جدید
بگڑ رہا ہے فقیہوں کا کارواں مجھ سے
خدا نے مجھ کو عطا کی ہے جرأت گفتار
نکل کے جائے کہاں دامنِ بیاں مجھ سے

قلم کی نوک پہ ہے سرگزشتِ لات و منات
یہ جرم وہ ہے کہ دُنیا ہے بدگماں مجھ سے
نہ احتساب کا خطرہ، نہ قید و بند کا خوف
بڑے عروج پہ ہے ندرتِ بیاں مجھ سے
مرے کمالِ خطابت کی بے ریائی پر
رہے ہیں خُود مرے احباب سرگراں مجھ سے
جسارتوں کے جزیرے ہیں حدِّ آخر تک
لکھی گئی ہے بسالت کی داستاں مجھ سے
غزا کے وقت انہیں ہمرکاب لے کے چلوں
یہ چاہتے ہیں مری قوم کے جواں مجھ سے

۲۹ را کتوبر ۱۹۶۳ء

انگریز کے جاسوس

عہدِ انگریز کا جاسوس ہے یا نوکر ہے
جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے

منہ نہ کھلواؤ کھری بات نکل جائے گی
ضربتِ حیدرِ کرارؓ مرا جوہر ہے

مَیں نے توڑا ہے بریلی کے نٹوں کا جادو
شور برپا ہے کہ حجروں کی فضا ابتر ہے

شرع کے نام پہ ہیں اُن کی دُکانیں قائم
دینِ اسلام کی پھٹکار مگر منہ پر ہے

زاغ دشتی کی اڑانوں سے شکایت کیا ہو
ہاں! اِسے مال اُڑانے کا سبق ازبر ہے

پیرجی! ہم سے اُلجھتے ہو تو کس برتے پر
ہم فقیروں پہ عیاں آپ کا پس منظر ہے
واعظ شہر کی تعریف و ثنا کیا لکھوں
پُشت ہا پُشت سے سرکار کا لابہ گر ہے
ڈاپتا پھرتا ہے عشاق کو گالی دے کر
میر و غالب کے زمانے کا پری پیکر ہے
پارچہ باف محدّث کا لکھوں حال تو کیا؟
شہ رگِ دین حنیفہ کے لئے خنجر ہے
ساتھیو! تیشۂ فرہاد اُٹھا کر نکلو،
بدعت آباد کے ہر فرد کا دل پتھّر ہے
قصّہ کوتاہ مری تیغ قلم کا صیقل
بدزبانوں کی رگِ جاں کے لئے نشتر ہے

۵ر نومبر ۱۹۶۳ء

حزب اللہ کے نام

حق بات بہر طور، بہر گام کئے جا
اس شان سے اے زادہ توحید جیئے جا
توحید سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی چیز
قرآن جو کہتا ہے اُسے عام کئے جا
سجدہ ہے فقط خالقِ کونین کو جائز
کونین کے سینہ پہ اسے نقش کئے جا
سرمست تھے جس بادۂ عرفاں سے صحابہؓ
اُس بادۂ عرفاں کو شب و روز پیئے جا
اللہ کی توحید، پیمبرؐ کی اطاعت
دارین کی دولت ہے اِسے عام کئے جا

اے رہروِ اسلام! یہ کیا سوچ رہا ہے
جینے کی تمنّا ہے تو اس طرح جیئے جا

ہرگز نہ جُھکے خواجۂ کونین کا پرچم
توحید کا پیغام زمانے کو دیئے جا

غیروں کے لئے خُلقِ پیمبرؐ کی ہو تصویر
اپنوں کے لئے دستِ دُعا بن کے جیئے جا

اسلام کے سینے میں کئی چاک پڑے ہیں
فطرت کا تقاضا ہے کہ یہ چاک سیئے جا

شورش سے بریلی کی زمیں کانپ رہی ہے
اس نظم دلآویز کو اب عام کئے جا

احوال واقعی

(خانوادۂ عروس العلماء کے نام)

مَیں نہیں کہتا فلاں ابنِ فلاں گستاخ ہے
اس قبیلے کا ہر اِک پیر و جواں گستاخ ہے

شاتمِ اسلاف ہیں احمد رضا کے جانشیں
بدعت آبادِ بریلی کی زباں گستاخ ہے

ایک کوزہ پُشت کی تصنیفِ باطل دیکھ کر
اچھرہ والے بھی پکار اُٹھے کہ ہاں گستاخ ہے

کیا کہوں فیض الحسن کی شوخیٔ گفتار پر
لوگ کہتے ہیں کہ وہ جانِ جہاں گستاخ ہے

حیف! بد انجام پٹواری محدّث بن گیا
وائے! فتنہ گر کا اندازِ بیاں گستاخ ہے

چھیڑ کر اُن گُل رُخانِ مجلسِ احناف کو
ایک شاعر کی زبانِ نکتہ داں گستاخ ہے
نشہ آور ہے بدایوں کی شرابِ خانہ ساز
مغبچوں کا ذکر کیا پیرِ مغاں گستاخ ہے
وہ جہاں چاہیں، جسے چاہیں اُسے رُسوا کریں
ہم پہ یہ تہمت کہ طبعِ بیکراں گستاخ ہے
کچھ مقطّع جھالروں کو مُفتیانہ رُوپ میں
یہ شکایت ہے کہ دستِ ناتواں گستاخ ہے

باعثِ رُسوائیٔ دینِ حنیفہ ہو گیا
مفتیٔ لاہور آوارہ لطیفہ ہو گیا

دو ابوالکلام

اِک وہ ابوالکلام تھا اِک یہ ابوالکلام / وہ شہسوارِ علم تھا یہ خنگِ بے لگام
اس کی زباں لطائفِ ارزاں سے بہرہ یاب / اُس کے قلم کی نوک کے افکار تھے غلام
اِس سے اَدب کی سطوتِ پارینہ شرمسار / اُس کی زباں کا مشرق و مغرب میں احترام
اِس سے کلاہِ فقر کی تقدیس خستہ حال / وہ پیروئ خلقِ پیمبرؐ میں لاکلام
احمد رضا کی حلقہ بگوشی پہ اِس کو فخر / وہ اس صدی میں ملّتِ اِسلام کا امام
ہے اِس پہ اِشتباہ بریلی کے بانس کا / وہ سرزمینِ ہند میں شمشیرِ بے نیام
ویرانۂ خیال ہے اِس کا دل و دماغ / تھا اس کا علم و فضل میں اعلیٰ ترین مقام
اِس کی نگاہ سادہ مریدوں کی جیب پر / اُس کی نگاہ میں دولتِ دنیا سے دوں حرام
اس کے جلو میں مسخرگی کی روائتیں / با عزّ و با وقار تھا اُس کا ہر ایک گام
چرچا ہے اِس کے نام کا بازارِ شرک میں / اُس نے کیا تھا قلعۂ بدعت کا انہدام

رکھی ہے اِس نے فتنۂ تکفیر کی بِنا ‏ ‏ ‏ توڑا تھا اُس نے لشکرِ باطل کا احتشام

قامت کے اعتبار سے بحرِ رجز کا بول ‏ ‏ ‏ اور اُس پہ یہ غرور کہ ہیں آپ ابُوالکلام

گرد شمن کے شہر میں ہنگامۂ خزاں ‏ ‏ ‏ صرصر کے ہاتھ میں گل و لالہ کا انتظام

اس حادثے پہ اس کے سوا اور کیا کہوں: ‏ ‏ ‏ اللہ رے مینڈکی کو بھی ہونے لگا زکام

زاغ و زغن کی بلبلِ بستاں سے چشمکیں ‏ ‏ ‏ یہ کیا غضب کہ بوم کو ہے خوئے انتقام

یہ کیا ستم کہ ایک نصاریٰ کا خوشہ چیں ‏ ‏ ‏ بدنام کر رہا ہے بزرگوں کا نیک نام

خلوت کدوں میں ریشِ حنائی کے زیرِ پر ‏ ‏ ‏ لاتا ہے مہوشانِ طریقت کو زیرِ دام

اُٹھا ہے اس کے دیدۂ دل سے خدا کا خوف ‏ ‏ ‏ بیچا ہے اس نے سنّتِ خیرالبشر کا نام

وعظ و بیاں کا زور ہے توحید کے خلاف ‏ ‏ ‏ دینِ ہدیٰ کی اصل ہے قبروں کا التزام

موضوعِ بحث حاضر و غائب کے معرکے ‏ ‏ ‏ اس کشمکش کی زد سے پریشاں ہیں خاص و عام

کاظم کی آستیں میں ہے خنجر چھپا ہوا ‏ ‏ ‏ جس کی جراحتوں کا نہیں کوئی التیام

مرتے ہیں آپ زہرہ جبینوں کی چال پر ‏ ‏ ‏ کرتے ہیں بادہ ہائے شبینہ کا اہتمام

دونوں کا فرق دیدۂ بینا پہ انکشاف ‏ ‏ ‏ اِک وہ ابُوالکلام تھے اِک یہ ابُوالکلام

اُس کا وجود عظمتِ اسلاف کی دلیل ‏ ‏ ‏ اِس کا کسی مقام پہ کوئی نہیں مقام

اسلام اِس کی شرک نوازی کا نوحہ گر ‏ ‏ ‏ توحید اُس کے زورِ خطابت سے شاد کام

سادہ دلانِ شہر کی جیبوں کا مال و زر ‏ ‏ ‏ اِس کے لیے حلال ہے اس کے لئے حرام

مَیں باخبر ہوں اس کے نشیب و فراز سے ‏ ‏ ‏ مَیں جانتا ہوں اس کی خطیبانہ دھوم دھام

اِس کا زوال نُصرتِ حق کی دلیلِ خاص — اِس کا نصیب ہو گیا قدرت کا انتقام
محفوظ ہو نہ جس سے بزرگوں کی آبرو — وہ شخص ہو گا خائب و خاسر بہ التزام
دیکھا ہے مَیں نے لوح و قلم پر لکھا ہوا — اس پیرِ تسمہ پا کی تجارت کا اختتام
ہاتھ آ گئی ہے دولتِ کون و مکاں مجھے — مَیں نے نبیؐ کا دامنِ اقدس لیا ہے تھام

شورش ہے چار دانگ میں میرے قلم کی دھاک
یہ دلفریب نظم ہے مقبولِ خاص و عام

اِستفسار

کیا یہی اسلام ہے ؟

قوم کو اُلّو بناؤ، کیا یہی اسلام ہے ؟
دو ٹکے کے رہنماؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

بیج بو کر فتنۂ تکفیر کا اسلام میں
رات دن جلسے کراؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

مار کر ڈاکہ مُریدانِ ارادت کیش پر
خلوتوں میں مُسکراؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

آئے دن خلوتکدوں میں نقدِ عصمت لُوٹ کر
اپنے حجروں کو سجاؤ، کیا یہی اسلام ہے ؟

او خُدا نا آشناؤں کے گروہِ نامُراد !
اک ذرا مجھ کو بتاؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

گالیاں بکتے رہو اسلافِ اُمّت کے خلاف
اے بریلی کے خُداؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

یہ بھی سوچا ہے کہ ختمِ خواجگاں کے نام پر
شرک کا ناٹک رچاؤ، کیا یہی اِسلام ہے ؟

یہ بھی سمجھا ہے کہ تعلیمِ پیمبر کے خلاف
مومنوں کا دل دکھاؤ کیا یہی اسلام ہے ؟

باندھ کر بیٹھے ہیں سجادہ نشینی کا غرور .
گدّیوں پر دندناؤ کیا یہی اِسلام ہے ؟

اور ذیلو! ڈیڑھ فٹ لمبی کُلاہِ فقر سے — دین کو بٹّہ لگاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
خانقاہوں میں بزرگوں کے مقدّس نام پر — نت نئے فتنے جگاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
کمسن و خوش رو جوانوں کو فریبِ وعظ سے — بر سرِ مجلس نچاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
اس خدا کی بزم میں پر لے سے کفن دُزدانِ دیں — چادرِ زہرا چراؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
اس وطن میں کوئی تم کو پوچھنے والا نہیں — مسجدیں تک بیچ کھاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
خود فروشو! ذکرِ میلاد النبیؐ کی آڑ میں — تہمتیں ہم پر لگاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
پیرزادو! خرقۂ پیرِ مغاں کے رُوپ میں — مغبچوں کا مال کھاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
مانگ کر انگریز سے خونِ شہیدانِ حرم — آبِ طرّوں کی بڑھاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
خواجۂ کونینؐ کے اسلام کی بنیاد و بیخ — اپنے ہاتھوں سے گراؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
مشربِ احمد رضا ہیں مفتیانِ بد زباں — ([illegible]) — سامنے آ کر بتاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
حاشیہ ادرک کی چٹنی کا بھریری دال میں — قورمہ، فرنی پلاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
عاقبت کے نرخ پر ہنگامۂ تکفیر سے — آگ ہر گھر میں لگاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
کُشتگانِ خنجرِ تسلیم کی پیشانیاں — پاؤں پر اپنے جھکاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
اس صدی میں جو اکابر، حجّتِ اسلام تھے — اُن کی رُوحوں کو ستاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
آئے دن ہنگامۂ سبّ و شتم کے رُوپ میں — منبروں پر ہنہناؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
شیخ چلّی کے لطائف ہیں مدارِ گفتگو — میرؔ کی غزلیں سناؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
غیرہ چشمی سے رسولؐ اللہ کی اولاد پر — جھوٹ کا طوفاں اُٹھاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟

اوڈوائر کی رضاجوئی کی خاطر گولیاں تُرک فوجوں پر چلاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟
نوشگفتہ کونپلوں کو خواہشِ اولاد پر اپنے پہلو میں بٹھاؤ، کیا یہی اسلام ہے؟
کل خُدا کے سامنے ہر بات کا ہوگا حساب آج گلچھرے اُڑاؤ، کیا یہی اِسلام ہے؟

اب خُدا اون کا شکر بات کھا سکتا نہیں
میرے خامے سے تمہیں کوئی بچا سکتا نہیں

خُدا سے مانگ

اس رہنما سے مانگ نہ اُس رہنما سے مانگ
شورش جو مانگنا ہے وہ اپنے خُدا سے مانگ

ہنگامۂ دغا میں شہیدوں کا بانکپن
مردانِ بالاکوٹ کی آہِ رسا سے مانگ

قبّوں میں کیا دھرا ہے بجُز کاروبارِ شرک
تفسیر اس کلام کی ربّ العلا سے مانگ

مُشکل کشا ہے ذاتِ خداوندِ ذوالجلال
کیا مانگتا ہے غیر سے مُشکل کشا سے مانگ

واجب نہیں لطیفہ فروشوں کا اتبّاع
فہمِ حدیث جادہ خیرالوریٰ سے مانگ

جو کچھ گزر رہی ہے دلِ ناصبور پر
اُس کی دوا حضورؐ کے دارالشفا سے مانگ

تالے پڑے ہوئے ہیں فقیہوں کے ذہن پر
ضربِ کہن کا زور جہاد و غزا سے مانگ

دونوں جہاں ہیں بندۂ مومن کی کارگاہ
یہ ہمہمہ حکایتِ مہر و وفا سے مانگ

اعلائے حق، قبائے فقیری، شعورِ دیں
شورشؔ یہ ذوق و شوق شہِ دوسراؐ سے مانگ

وصایا شریف

اِسلام کے خلاف، خُدا کے حریف ہیں
یہ لوگ یادگارِ وصایا شریف ہیں
اِسلام ان کے دشنۂ الحاد کا شکار
مذہب کے اعتبار سے عضوِ ضعیف ہیں
فِطرت کے اعتبار سے دُشنام و اتشگاف
پیشہ کی رُو سے تاجرِ دینِ حنیف ہیں
اقصائے چین سے تا بہ سوادِ طرابلس
برطانیہ کی فصلِ ربیع و خریف ہیں
اربابِ دُوں نہاد کی تصویر خانہ ساز
یارانِ بدزبان کے سیاسی حلیف ہیں
دو سو (۲۰۰) برس سے شرک نوازی میں بے مثال
طُرّوں کے پیچ و خم کی بنا پر شریف ہیں
مُفتی نہیں، فقیہہ نہیں، پیشوا نہیں
یہ خانزادگانِ بریلی شریف ہیں

ے مولوی احمد رضا خاں کی آخری وصیتیں۔

ماضی، حال، مستقبل

سے معرّیٰ لوگ

نیاز مندوں کی عاجزانہ روش پہ الزام دھر رہے ہیں
جو لوگ دُشنام پر تُلے ہیں عجیب حرکات کر رہے ہیں

اُنہیں شکایت ہے ہم فقیروں کے خامۂ حریّت رقم سے
کہ اس کی مُعجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

جواب ہم ان کا جانتے ہیں مگر نوا ہائے غم سے حاصل؟
گلہ مقدّر سے ہے تو اتنا کہ بیوفاؤں پہ مر رہے ہیں،

قسم خُدا کی پرکھ چکے ہیں بہت سے چہروں کا رنگ و روغن
حجاب ہے درمیاں تو اتنا کہ مُدّتوں ہم سفر رہے ہیں

ہمیں بھی آتی ہے بات کرنی مگر نہ کہنا ہی خُوب تر ہے
تمہاری خاطر یہ مانتے ہیں کہ تم سے ہم بے خبر رہے ہیں

جو قتل کرنے کی ٹھان لی ہے تو شوق سے یہ بھی کر ہی دیکھو
مگر زمانہ ضرور دیکھے گا، آپ کس شاخ پر رہے ہیں

مجھے بھی کہنے کا ڈھنگ آتا ہے اس حقیقت کو جانتا ہوں
کہ "حاطب اللیل" اک زمانے میں قوم کے راہبر رہے ہیں

مگر مجھے کیا پڑی ہے شورشؔ کہ بے ادب ہو کے اُن سے پوچھوں
کہ ہمنوایانِ زاغ دشتی کہاں رہے ہیں کدھر رہے ہیں

خوشا کہ اب کے چمن میں گلچیں نے لالہ و گل کی لاج رکھ لی
وگرنہ دستِ صبا کے پھر کے حریفِ تیغ و تبرؔ کرے ہیں

قلندروں پر سخن طرازوں کی ژاژ خائی کا دبدبہ کیسا ؟
خدا کی پھٹکار مخبروں پر ڈرا رہے ہیں کہ ڈر رہے ہیں

زباں درازی یہ اپنی سوچا ہے عہدِ ماضی میں رہنے والو
یہ کونسا دور آگیا ہے یہ کیا حقائق اُبھر رہے ہیں

پیارے

صاحبزادہ فیض الحسن اعلی اللہ مقامہٗ کے نام

ہم تہی دست ہیں کیوں ہم سے خفا ہے پیارے
کیا یہی عشق و محبّت کا صِلا ہے پیارے

تیری خدمات کا تاریخ کے اوراق میں ذکر
ہر زباں پر تری توصیف و ثنا ہے پیارے

تیرے طُرّے کی بلندی سے فضا کانپ اُٹھے
تری دستار کا ہر پیچ کھُلا ہے پیارے

تیری تصویرِ معانی پہ مصوّر حیراں
تیرے الفاظ میں طوفان چھپا ہے پیارے

تو بڑی چیز ہے، کوئی نہیں ثانی تیرا
ہم نے اصرار سے یہ وصف سُنا ہے پیارے

ہم ترے حسنِ تکلّم پہ مرے جاتے ہیں
ماسوا اس کے کوئی اور خطا ہے پیارے؟

تُو نے جو کچھ بھی کہا ہم نے اسے مان لیا

اب وہ کیا جرم ہے تو جس پہ خفا ہے پیارے
گفتگو میں ہے تری خوفِ خدا کی تکرار
سچ بتا تجھ کو بھی کچھ خوفِ خدا ہے پیارے
نازنینوں کے پھریروں کا سہارا لے کر
تو بڑی دور، بڑی دور گیا ہے پیارے
تیرے اسلوبِ طبیعت میں غزل کے مضموں
تو کسی نظم کی دلچسپ نوا ہے پیارے
تیرے ہاتھوں کی لکیروں میں خزانے مخفی
تیرے ماتھے پہ زر و سیم لکھا ہے پیارے
ہم سیہ بخت کریں بھی تو شکایت کس سے؟
ہم کو اپنے ہی مقدر سے گلا ہے پیارے
بر نیا دور ترے زخم کہن کا چارہ
تجھ کو قدرت نے عجب بخت دیا ہے پیارے
ہاں وہی لوگ جو ہیں نظمِ معرّیٰ کی طرح
ان کی بستی میں ترا نام بڑا ہے پیارے
ہم فقیروں کے لئے طعنۂ رسوائی کیا
لیکن اتنا کہ ہمارا بھی خدا ہے پیارے

۱۹ فروری ۶۳ء

گفتنی و ناگفتنی

ہر روز کر رہے ہیں شرارت نئی نئی
وہ لوگ جن سے شرمِ رسولؐ[۱] خدا گئی
جن کے ضمیر و ظرف پہ تخلیق شرمسار
جن کے دل و دماغ کا سانچہ ہے شرمئی
کیا پوچھتے ہو اُمتِ احمد رضا کا حال
اندر سے داغدار تو باہر سے چمپئی
ریشِ دراز، زُلفِ چلیپا سے فیضیاب
اُس لعبتِ فرنگ کے شوہر کئی کئی،
مسلک میں ان کے آنریری مخبری حلال
مذہب ہے اس ذلیل گھروندے کا نقرئی
ماتھے پہ فرش بوس روایات کا غبار
چہرہ بہ فیضِ حلقۂ عشاق اگرئی
ہم ایسے کشتگانِ وفا کے خلاف ہیں
اسرارِ خاندانِ کلایو کے مخبرئی

۱۹ دسمبر ۶۲ء

۱ شاعر کا قلمی نام

دو مشورے

سموم تیز ہے موجِ صبا کو عام کرو
خزاں کے رُخ کو پلٹنے کا اہتمام کرو

بکھر رہے ہو مضامینِ شاعری کی طرح
کسی مقام پہ جم جاؤ کوئی کام کرو

سبق ملا ہے یہ تاریخ کے نوشتوں سے
کہ تیغِ حیدرِ کرار بے نیام کرو

جبین پہ خاک ہے کس آستانِ دولت کی
کبھی تو اپنی انا کا بھی احترام کرو

یہ مشورے ہیں کئی دن سے قصرِ شاہی میں
کسی طریق سے دانش وروں کو رام کرو

قلم کی شوخ نگاری کو روکنے کیلئے
زباں دراز ادیبوں کو زیرِ دام کرو

جھکا کے سر کسی فرمانروا کی چوکھٹ پر
زبانِ تہمت و الزام بے لگام کرو

ظفرؔ علی کی زباں میں ہے مشورہ میرا
مری طرف سے اسے دوستوں میں عام کرو

"اس ابتلا سے خدا کی ہزار بار پناہ
کہ جھک کے تم کسی نااہل کو سلام کرو"

۳۰ دسمبر ۶۲ء

گر تو بُرا نہ مانے

ہیں خفا ایک پیرِ تسمہ پا　　　میرے چبھتے ہوئے سوالوں پر
میری بے عیب صاف گوئی کے　　　جگمگاتے ہوئے خیالوں پر
مُنہ چڑاتے ہیں سر پٹختے ہیں　　　میرے باطل شکن مقالوں پر
دندناتے ہیں خائف ہوں ہیں　　　طعن کرتے ہیں خستہ حالوں پر
پیچ کھاتے ہیں چادرِ زہرا　　　جاں چھڑکتے ہیں خُوش جمالوں پر
ثبت ہے ان کی داستانِ ہوس　　　بادۂ ناب کے پیالوں پر
عمر ساری کٹی بہ فیضِ فرنگ　　　خوانِ یغما کے تر نوالوں پر
دل سیہ خانۂ ہوس کا شکار　　　رُو سیاہی سفید بالوں پر

وارثِ مسندِ رسولؐ ہیں آپ
طنز کرتے ہیں مرنے والوں پر

۲۲ دسمبر ۶۲ء

گفتنی و ناگفتنی

لگا کے آگ روایات کے سفینوں میں
چھڑے ہوئے ہیں کئی تذکرے حسینوں میں

یہ کہہ رہا تھا کوئی واعظوں کے بارے میں
زباں کا رنگ جماتے ہیں نازنینوں میں

یہ واقعہ ہے کہ خنجر چھپا کے رکھے ہیں
زباں دراز فقیہوں نے آستینوں میں

عجیب شے ہے رضا خاں کی اُمّت کاذب
یہ راز ہم پہ کھُلا ہے کئی مہینوں میں

کچھ اس لئے بھی قلم کو حجاب آتا ہے
نہ آئے بال کہیں اس سے آبگینوں میں

مرے خلاف اکٹھے ہیں ایک مرکز پر
وہ لوگ بھی تھے جو نصاریٰ کے خوشہ چینوں میں

پئے نزاکت گفتار چپ رہو شورش
بہت سے راز نہفتہ ہیں ان زمینوں میں

۱۲ر دسمبر ۶۲ء

خُدا کے فضل سے حُوروں کے شوہر

بزعمِ خویش اپنے دور کے سقراطِ ثانی ہیں
"مقدس لوگ" ہیں احمد رضا خاں کی نشانی ہیں
غلامانِ رسولؐ اللہ کی تکفیر کرتے ہیں
ہمیشہ انشراحِ صدر سے تقریر کرتے ہیں
زباں آور ہیں لیکن زاہدہ پروین کی لَے ہیں
کئی نادر کتابوں کے مصنّف ہیں بڑی شے ہیں
رعونت سے جبیں پر زہد کے اسرار کُھلتے ہیں
نگاہوں کے غضب سے سینکڑوں الفاظ کُھلتے ہیں
تکبّر زاویے بنتا ہوا گفتار کی لَو میں
ہزاروں خسروؤں کا دبدبہ رفتار کی رَو میں
زبانِ شستہ و رُفتہ پہ نستعلیق بولی ہے
مصلّے پر مراد آباد کے پانوں کی ڈھولی ہے

بزعمِ خویش زہد و اتقا کے بیج بوتے ہیں
خُدا کے فضل سے حُوروں کے شوہر ایسے ہوتے ہیں

۳۰ دسمبر ۶۲ء

تصویرِ دلپذیر

پاپوش میں لگا کے کرن آفتاب کی — کیسے بنے گی بات تقدّس مآب کی
دہ چند ہو رہی ہیں بریلی کی رونقیں — آتی ہے بتکدوں سے اذاں انقلاب کی
شرعِ رسولؐ جیب تراشوں کے ہاتھ میں؟ — مٹّی میں مل گئی ہے چمک آفتاب کی
ہوتی نہیں ہے بادہ گساروں سے احتیاط — چلتی نہیں ہے وعظِ خانہ خراب کی
بازار میں پھر آ گئے پُرانے حرم فروش — پسلی پھڑک اٹھی نگہِ انتخاب کی
اک رندِ لم یزل نے بہ عنوانِ ذکرِ وعظ — اس مملکت میں قدر بڑھا دی شراب کی
فیض الحسن سے رندِ سیاہ مست نے کہا — تصویرِ دلپذیر ہے یہ آں جناب کی

جو کام بھی کیا وہ نرالا جہاں سے تھا
جو بات کی، خدا کی قسم لاجواب کی

سہیلی بُوجھ پہیلی

پرچم سرِ میدانِ دغا کھول رہا ہے
"منصورؔ کے پردے میں خدا بول رہا ہے"

کیا سیلِ بغاوت ہے مُریدوں کی صفوں میں
پیرانِ تہی دست کا دل ڈول رہا ہے

اے وائے صبا عقربِ جرّارہ چمن میں
صَرصَر کے اِشارات پہ بِس گھول رہا ہے

افرنگ کے دیرینہ غلاموں کی رضا پر
خود پیرِ حرم بندِ قبا کھول رہا ہے

کچھ بات ہی ایسی ہے کہ پیمانۂ زریں
اِک رندِ تنک ظرف لہُو تول رہا ہے

بزغالۂ افرنگ شغالوں کے جلو میں
کِس ٹھاٹھ سے ضرغام صفت بول رہا ہے

تاریخ کے ویرانۂ آباد میں شورشؔ
کچھ قیمتی موتی ہیں قلم رُول رہا ہے

بھاگتے کیوں ہو؟

بریلی کے بُتو! نامِ خدا سے بھاگتے کیوں ہو؟
خطا کے بعد انجامِ خطا سے بھاگتے کیوں ہو

اگر تم پاک داماں ہو تو میداں میں چلے آؤ
مواعظ بیچنے والو وغا سے بھاگتے کیوں ہو

اگر قربانی و ایثار کی راہوں سے واقف ہو
تو پھر فرمانِ تسلیم و رضا سے بھاگتے کیوں ہو

گھروں کی چار دیواری میں غرّانے سے کیا حاصل
قضا آ کر رہے گی اب قضا سے بھاگتے کیوں ہو

اِسی پر ہے مدارِ انقلابِ کرّۂ ارضی،
ہم ایسے باغیوں کے نقشِ پا سے بھاگتے کیوں ہو

اُگلنا ہی پڑے گا ظالمو! اب تر نوالوں کو،
غریبوں کے غضب کی ابتدا سے بھاگتے کیوں ہو
ادائے انقلاب مہر و مہ پہچاننا ہو گی؛
ہوائے گردشِ ارض و سما سے بھاگتے کیوں ہو
وفا کی آڑ لے کر جب دغا کی پرورش کی ہے
تو پھر اس جرم پر اپنی سزا سے بھاگتے کیوں ہو
یقیں رکھو قیامت وقت سے پہلے بھی آتی ہے
فقیہو! پرسشِ روزِ جزا سے بھاگتے کیوں ہو
نہ اس سے حشر اُٹھے گا نہ اس سے برق کوندے گی
ہم ایسے ناتوانوں کی نوا سے بھاگتے کیوں ہو

کہرام

نام جس چیز کا پیمانِ وفا ہے یارو
ہم نے اس دور میں دیکھا نہ سُنا ہے یارو
شرع کے نام پہ اسلام کے بُت خانے میں
ان فقیہوں میں ہر اک شخص خدا ہے یارو
خوف سے وقت شناسوں کی زبانیں چُپ ہیں
کالی راتوں میں کوئی راہنما ہے یارو؟
جن کے محلوں میں غریبوں کا لہُو جلتا ہے
اُن سے پوچھو تو سہی، ان کا خُدا ہے یارو
ہم نشینانِ زلیخا کی جواں سالی کو
شیخ کی ریشِ حنائی سے گِلا ہے یارو

عرش کا بار اُٹھائیں گے فرشتے کب تک؟
جب یہاں فرش پہ کہرام مچا ہے یارو
شرع کے نام پہ جو لوگ دغا کرتے ہیں
اُن سے کہہ دو کہ خُدا دیکھ رہا ہے یارو
سالہا سال سے تاریخ کے ویرانے میں
خونِ احرار سفیہوں کو روا ہے یارو
قدسیاں جھوم کے اُٹھے ہیں پذیرائی کو
شورشؔ اس دور میں سرگرمِ نوا ہے یارو

ہنگامۂ زہد و ورع

مُریدانِ ارادت کیش کا اِک جمگھٹا دیکھا
فقیہہِ شہر کے حلقے میں کل اِک ماجرا دیکھا
پسِ گفتار بذلہ سنجیوں کی رونقیں پائیں
دمِ تحریر نکتہ آفرینی کا مزا دیکھا
وفا کیشانِ ماضی قابلِ گردن زدن ٹھہرے
بتانِ منبر و محراب کو بھی آزما دیکھا
حنائی جھاڑوں کے پیچ و خم سے سرکشی نکلی
سیاسی تربتوں پر زائروں کا جمگھٹا دیکھا
بہت سے لوگ دیکھے کارگاہِ خود فروشاں میں
قلم کی آبرو کے دشمنوں کو رہنما دیکھا
یہاں لکھوں تو یارانِ سرِ پل تلملا اٹھیں
کسے نالہ بلب پایا کسے نوحہ سرا دیکھا
حسینانِ جہاں کے ڈھول دھپے کی شکایت کیا
ہر اِک محفل میں شورش شیخ جی کو پارسا دیکھا

ظفر علی خاں سے مستعار

عجیب چیز ہے یہ اس کی این و آں سے بچو
مسافرانِ حرم میرِ کارواں سے بچو

خزاں تو خیر خزاں ہے چلی ہی جائے گی
مگر گلو یہ ضروری ہے باغباں سے بچو

دراز دستیٔ صیّاد سے گلہ کیسا
فریب کاریٔ تزئینِ گلستاں سے بچو

زباں دراز خطیبوں پہ انحصار غلط
دراز ریش فقیہوں کی این و آں سے بچو

قلم فروش ادیبوں سے درگذر لازم
نگار خانۂ خوباں کی داستاں سے بچو

عجیب چیز خم و پیچ ہیں عباؤں کے
خطیبِ شہر کی رنگینیٔ بیاں سے بچو

پتے کی بات کہی ہے ظفر علی خاں نے
بتائے جاؤں کہاں تک فلاں فلاں سے بچو

خدا کے خوف سے بڑھ کر کوئی بھی خوف نہیں
حضورِ خواجۂ کونین کی فغاں سے بچو

فتنۂ انکارِ حدیث

ان خیالات میں صہبا کی اگر تیزی ہے
یہ سب اُس شاعرِ مشرق کی نواخیزی ہے
خاکِ طیبہ کے جواں سال حدی خوانوں میں
قرنِ اوّل کی طرح ولولہ انگیزی ہے
کیا کہوں مجلسِ اقبالؔ سے کیا کچھ پایا
دیدہ و دل میں نہاں جذبۂ تبریزی ہے
جس نے اسلام کو اغراض کے تابع رکھا
اُس سیہ کار کی تقدیر میں چنگیزی ہے

جانتے ہو کہ یہاں فتنۂ انکارِ حدیث
اپنے افکارِ بد انجام میں پرویزی ہے

میرے احباب کو رہتی ہے شکایت مجھ سے
کہ مرا شیوۂ احوال کم آمیزی ہے

شورشؔ ہم ایسے فقیرانِ تہی دستاں کو
حاصلِ دولتِ کونین سحر خیزی ہے

آنکھیں میری باقی اُن کا

(مہار شریف میں تین ۳ دن اور دو ۲ راتیں)

خود دودمانِ قبلۂ عالمؒ کریں خیال
دل میں بہت دنوں سے ہے کانٹا چبھا ہوا
اس خانداں کے ایک رنگیلے پیا کے گھر
فرزندِ ارجمند کے ختنہ پہ کیا ہوا؟
چشمے اُبل رہے تھے سُرور و نشاط کے
تھا چادڑی کا نقشۂ عُرسیاں کھنچا ہوا
اس محفلِ نشاط کے نرغے میں وہ بھی تھے
چہرے پہ جن کے زہد و ورع تھا لکھا ہوا
قوال گا رہے تھے خضوع و خشوع سے
رندانِ بوالہوس میں تھا غوغا مچا ہوا

بادہ گسار کھول کے بیٹھے تھے بوتلیں
تھا رنڈیوں کے سامنے حُقّہ دَھرا ہوا

نعتِ نبیؐ پہ عصمتِ آوارہ نکتہ چیں
خوفِ خدا تھا زہرہ وَشوں میں گِھرا ہوا

دولت کے ڈھیر زاہدۂ پروین پہ نثار
دہقانِ خستہ حال کا چُولہا بُجھا ہوا

تھے خادموں کے پیٹ پہ پتّھر بندھے ہوئے
اور کنجنوں پہ بابِ سخاوت کھُلا ہوا

شورشؔ اس ایک منظرِ زہرہ گداز میں
دستِ دُعا تھا عرش کی جانب اُٹھا ہوا

اس حشرِ نَو میں قبلۂ عالم کہاں تھے آپ؟
دیکھا تو ہو گا آپ نے جو ماجرا ہوا

نکتہ فرسائی

ہر کوئی کافر گروں میں نعرۂ دشنام ہے
میری آنکھیں دیکھتی ہیں ان کا جو انجام ہے
کیا کہوں کیا گل کھلائے ہیں ابوالبرکات نے
فتنہ آرائی مسلمانوں میں اس کا کام ہے
دختران ملک و ملّت رقص فرماتی رہیں
اس نئی تہذیب میں کلچر اسی کا نام ہے
رنڈیاں نعتِ نبیؐ پر "نکتہ فرسائی" کریں
تو کہاں اسے انتقامِ گردشِ ایام ہے
گائیکی کے زیر و بم سے ہم بھلا کیا آشنا
ریڈیو کا ہم غریبوں پر بڑا انعام ہے
نسلِ نو کی پختگیٔ "فن" کا فرمودہ ہے یہ
اگلے وقتوں کے بزرگوں کی فراست خام ہے
خواجۂ کونینؐ کی چشمِ کرم کے فیض سے
میرا ہر ہر شعر شورش پارۂ الہام ہے

"اُس بازار" میں عید میلاد النبیؐ

پرچمِ دینِ پیمبرؐ زغۂ کفّار میں
عید میلاد النبیؐ کا جشن ؟ اُس بازار میں

تاتاری کی فضا میں واعظاتِ سیر فروش
ذاکرِ مُعجز بیاں زہرہ وشوں کی ڈار میں

چند آوارہ لطائف، چند نامربُوط شعر
تاجرانِ منبر و محراب کے افکار میں

کر رہے ہیں دُخترانِ معصیّت کو مطمئن
شہسوارانِ خطابت حجلۂ گفتار میں

غیبؔ و حاضر کے فقیہانہ مسائل زیرِ بحث
نازنینانِ غنا کے سایۂ دیوار میں

آنچلوں کی سرسراہٹ سے عبائیں شرمسار
عقدہ ہائے ناکشودہ طُرّۂ دستار میں

دائیں بائیں کے مکانوں میں ہوس محوِ نشاط
جھُومتے ہیں شیخ جی الفاظ کے انبار میں

میرؔ و مرزاؔ کے تغزّل کا انوکھا بانکپن
آج تک شورش جھلکتا ہے مرے افکار میں

جان پہچان

حرم کو بندۂ لات و منات کیا جانے
ثبات چیز ہے کیا؟ بے ثبات کیا جانے

بتانِ وہم و گماں ہیں خلافِ شرعِ رسولؐ
خُدا کا خوف، فقیہوں کی ذات کیا جانے

کہے تو کون کہ اِسلام غیر فانی ہے
سحر کے نُور کو تاریک رات کیا جانے

جبیں پہ داغ ریائی، زباں پہ مُہرِ سکُوت
فقیہہ شہر فقیروں کی بات کیا جانے

جلالِ پنجۂ محمود واشگاف سہی
کمالِ ضربِ اِلٰہ سومنات کیا جانے

قمار خانۂ عقل و خرد کی ذریّت
ادائے صوم، نوائے صلوٰت کیا جانے

حرم فروشِ شہادت سے باخبر ہی نہیں
فقیہہ شہر مقامِ حیات کیا جانے

عرضِ حال

بَن گئے چور، راہنما صاحب! — اس سے آگے کہیں تو کیا صاحب
خان زادوں کی مہربانی سے، — ناروا ہو گیا، رَوا صاحب!
"کشتیاں یُوں بھی ڈُوب جاتی ہیں" — ناخُداؤں سے کیا گِلا صاحب؟
ظُلم سہتے رہیں کہاں تک لوگ — کوئی حَد ہے نہ انتہا صاحب!

میرے افکار میں ترازُو ہے، — ایک ڈوبی ہوئی صدا صاحب!
کارِوانوں کو راستہ دیں گے — ہم فقیروں کے نقشِ پا صاحب!

اِتنی قُربانیوں کے بعد ہمیں، — سوچنا یہ ہے کیا مِلا صاحب!
آپ کی خشمگیں نِگاہوں کا، — ہم سمجھتے ہیں مدّعا صاحب!
گلستانوں سے قید خانوں تک — نہ مِلا کوئی ہم نوا صاحب!

جب کبھی زخم پھُول بنتے ہیں
مُسکراتے ہیں آشنا صاحب

اِس بازار میں[1]

کچھ اَیرے ہیں کچھ غیرے ہیں — کچھ نتھو ہیں کچھ خیرے ہیں
کچھ جھوٹے ہیں کچھ سچّے ہیں — کچھ بڈھے ہیں کچھ بچّے ہیں
کچھ گونگے ہیں کچھ بہرے ہیں — کچھ ہلکے ہیں کچھ گہرے ہیں
کچھ ململ ہیں کچھ لٹّھے ہیں — کچھ لڈن ہیں کچھ چھٹے ہیں
کچھ مِٹھے ہیں کچھ کھٹّے ہیں — کچھ اینٹیں ہیں کچھ بھٹے ہیں

کچھ چتّی ڈارھی والے ہیں — کچھ کالی ساڑھی والے ہیں

کچھ تیتر اور بٹیرے ہیں — کچھ ڈاکو اور لٹیرے ہیں
کچھ دارا کچھ اسکندر ہیں — کچھ روٹی توڑ قلندر ہیں
کچھ گھی کا حاصل مصدر ہیں — کچھ ابتر سے بھی بد تر ہیں
کچھ ہلّی ہیں کچھ گھمّن ہیں — کچھ پھندے ہیں کچھ پھمّن ہیں

---

[1] یہ نظم ری پبلکن وزارت کے "عہد ہمایونی" کی یادگار ہے۔

کچھ فتنہ و شر کے بانی ہیں — کچھ دین کے دشمن جانی ہیں
کچھ اپنی بات کے پکّے ہیں — کچھ جیب تراش اُچکّے ہیں
کچھ ان میں ہر فن مولیٰ ہیں — کچھ "رولا" ہیں کچھ "غولا" ہیں
کچھ رگڑے ہیں کچھ جھگڑے ہیں — کچھ لاغر ہیں کچھ تگڑے ہیں
کچھ آنے جانے والے ہیں — کچھ راگ سُنانے والے ہیں
کچھ روئے زناں کچھ دڑھیل ہیں — کچھ میٹھے ہیں کچھ اڑیل ہیں
کچھ کوڈو کوڈ کبڈی ہیں — کچھ کاہل اور پھسڈّی ہیں
کچھ شاعر اور گوّیے ہیں — کچھ تھا تھا ہیں کچھ تھیّے ہیں
کچھ نیلے ہیں کچھ پیلے ہیں — کچھ چلتے ہیں کچھ ڈھیلے ہیں
کچھ ان میں رنگ رنگیلے ہیں — کچھ خاصے چھیل چھبیلے ہیں
کچھ بیچو بیچ گنڈیری ہیں — کچھ زر کی ہیرا پھیری ہیں
کچھ ان میں کھرے کچھ کھوٹے ہیں — کچھ لمبے ہیں کچھ چھوٹے ہیں
کچھ دُبلے ہیں کچھ موٹے ہیں — کچھ پیمانے، کچھ لوٹے ہیں
کچھ "تیری میری مرضی" ہیں — کچھ مصنوعی، کچھ فرضی ہیں
کچھ تاک دھنا دھن تاکے ہیں — کچھ اُلٹے سیدھے خاکے ہیں
کچھ بادہ خوار پُرانے ہیں — کچھ کھٹّر اور ٹوانے ہیں
کچھ مُفتی کچھ مُلّانے ہیں — کچھ جاہل اور سیانے ہیں

کچھ ان میں شہید ساز بھی ہیں — کچھ ان میں تبرّی باز بھی ہیں
کچھ گنتے ہیں کچھ پوریں ہیں — کچھ کنکوے، کچھ ڈوریں ہیں
کچھ طبلے ہیں کچھ پیانو ہیں — کچھ ان میں غرارہ بانو ہیں
کچھ چورا چوری کرتے ہیں — کچھ سینہ زوری کرتے ہیں
کچھ ابنِ علیؑ کے تاجر ہیں — کچھ کاسہ لیس مہاجر ہیں
اُلّو ہی نہیں خفاش بھی ہیں — زاہد ہی نہیں عیّاش بھی ہیں
کچھ موتی ہیں کچھ مالا ہیں — کچھ دال میں کالا کالا ہیں
بولیں تو خطیبِ شہر ہیں یہ — گھولیں تو سیاسی زہر ہیں یہ
کچھ ان میں بلا کی لہر بھی ہیں — کچھ ان میں خدا کا قہر بھی ہیں
یہ سُرخ بھی ہیں یہ زرد بھی ہیں — نامرد بھی ہیں، دل مرد بھی ہیں
کچھ ان میں بُتِ طنّاز بھی ہیں — کچھ رندِ شاہد باز بھی ہیں
جتنے ہیں سبھی بے مایہ ہیں — خورشید کا ڈھلتا سایہ ہیں
چلتے ہیں تو پھر رُکتے ہی نہیں — تنتے ہیں تو پھر جُھکتے ہی نہیں
بازارِ دغا میں گھومتے ہیں — سرکار کی چوکھٹ چومتے ہیں
دوڑیں تو صبا رفتار ہیں یہ — چمٹیں تو گلے کا ہار ہیں یہ
عارض کی گلابی پیتے ہیں — بوٹی کی پینگ میں جیتے ہیں
ہرچند بڑے ہشیار ہیں یہ — بشہ زور ہیں یہ سرشار ہیں یہ

لُومڑ ہی نہیں خرگوش بھی ہیں ٹھنڈے ہی نہیں پُرجوش بھی ہیں
پہلے تو بڑے جاسُوس تھے یہ انگریز سے بھی مانُوس تھے یہ
اب قوم کی خاطر مرتے ہیں
اِسلام کا بھی دَم بھرتے ہیں

ملتان کا ثقافتی میلہ

کئی سال ہوئے ملتان کے ضلعی حکام نے عوام کے
احتجاج کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک ثقافتی میلہ رچایا تھا،
اس نظم میں رقص و نغمہ کی اسی تقریب کا عکس پیش کیا گیا ہے

ناچ چھناچھن ناچ ——— تاک دھنا دھن تاک

۱

گورے گورے گالوں والی کالے کالے بالوں والی
تیکھے تیکھے نین اٹھا کر بازو کی قوسیں لہرا کر
آنچل کی ابریشمی لَو سے عارض کی مہتابی ضو سے
سرکاری اسلام کی شہ پر پھنّے خاں حکّام کی شہ پر
زاویئے بُنتی ناچ چھناچھن نغمے چُنتی ناچ چھناچھن

ناچ چھناچھن ——— تاک دھنا دھن

۲

چاندی کی پازیب سے نغمہ چشمہ بن کر پھوٹ رہا ہے

من موہنی آواز کی لے پر　　دھرتی کا دل چھوٹ رہا ہے
تہذیبی اسرار کا جادو　　ٹوٹ چکا ہے ٹوٹ رہا ہے
درد کشان عیش کا حلقہ　　عصمتِ مینا لوٹ رہا ہے
عصمتِ مینا ناچ چھنا چھن　　پھر کیا جینا؟ ناچ چھنا چھن
ناچ چھنا چھن ــــــ تاک دھنا دھن

۳

چھل کے نین کٹورے توبہ　　رنگیں رنگیں ڈورے توبہ
قامت کیا؟ شمشیر کا عالم　　زلف نہیں، زنجیر کا عالم
نزہتِ لالہ زار کا نقشہ　　لغزشِ بادہ خوار کا نقشہ
بہکی بہکی چال کا صدقہ　　لہکی لہکی تال کا صدقہ
بھاؤ بتا کر ناچ چھنا چھن　　نرت جما کر ناچ چھنا چھن
ناچ چھنا چھن ــــــ تاک دھنا دھن

۴

دین کہاں؟ دینداری کیا ہے　　باقر کون؟ بخاری کیا ہے
نصرتِ حق کے داعی ہم ہیں　　لوگ رعیّت، راعی ہم ہیں
ہم ہیں حاکم، تاج کے وارث　　کل کے وارث آج کے وارث
خدشہ کیا؟ حکام ہیں تیرے　　بادہ تیرا جام ہیں تیرے

جام اُٹھا کر ناچ چھنا چھن　　پھول کھلا کر ناچ چھنا چھن

ناچ چھنا چھن ——— تاک دھنا دھن

۵

شہر کے والی، دید کے بھوکے　　عاشورے ہیں عید کے بھوکے

دُھن کے پکّے، بات کے "سچّے"　　دن کے "جھوٹے" رات کے "سچے"

لعلیں ہونٹ گلابی چہرے　　کالی راتیں سُرخ سویرے

پاکستان کے فرضی غازی　　عشق میں "مجنوں" علم میں "رازی"

پہلو بدل کر ناچ چھنا چھن　　دیکھ سنبھل کر ناچ چھنا چھن

ناچ چھنا چھن ——— تاک دھنا دھن

دو راہا[۱]

ہم کہاں جائیں بپاسِ خاطرِ یارانِ شہر
خانصاحب اک طرف ہیں سہروردی اِک طرف

اِک طرف چٹیل زمینیں ہیں طرح دیتی ہوئی
شوخیٔ افسونِ چرخ لاجوردی اک طرف

اِک طرف اعدائے بداندیش کے دل میں فساد
خوف سے سرکار کے چہرے پہ زردی اِک طرف

اِک طرف چڑھتے ہوئے خورشید کا جاہ وجلال
سرد راتوں کے سیہ خانے کی سردی اِک طرف

اِک طرف انگریز کی چوکھٹ کے دیرینہ غلام
لشکرِ احرار کی صحرا نوردی اِک طرف

اِک طرف بالانشینانِ سیاست نعرہ زن
سرفروشانِ وطن کی کوچہ گردی اِک طرف

---

[۱] اس نظم میں ۱۹۵۷ء کی پاکستانی سیاست پر بعض پُر معنی اشارات کئے گئے ہیں۔

اِک طرف ہم خانماں برباد با حالِ نزار
خان زادوں نے ہوس کی جیب بھر دی اِک طرف
چل رہے ہیں ہم مگر غیروں کی اُنگلی تھام کر
رہبروں نے قوم کی حالت یہ کر دی اِک طرف
اِک طرف ہیں سر بکف فاروق کے عظمت شناس
رحمتِ حق سے گریزاں یزد جردی اِک طرف
اِک طرف نامردئ اہلِ خوشامد کا قرار
بے نوایانِ وطن کی پائمردی اک طرف
ٹوٹ جائے گا فرنگستان کا شورش فسوں
بیٹھ کر روئیں گے انگریزوں کے دردی اِک طرف

یومِ حساب

قریب ہے یارو روزِ محشر، ہر ایک شئے کا حساب دو گے
عوام سے جو کیا ہے تم نے، خُدا کے ہاں کیا جواب دو گے

تمہارے وعدوں کی ناؤ ڈوبے گی عین منجدھار میں یقیناً
صدف سے موتی چُرانے والو ہمیں کہاں تک حباب دو گے

علیل چہروں کی رونقیں تم سے حقِ تنویر مانگتی ہیں
ہر ایک دِل انتقام لے گا ہر ایک چہرے کو آب دو گے

اُفق کے جس نیلگوں جزیرے سے پھُول چوری کیے ہیں تم نے
اُسی اُفق سے گدائی کر کے زمین کو آفتاب دو گے

اندھیری راتوں میں آنسوؤں کے چراغ لے کر نکل پڑا ہوں
سفر کی تاریک شاہراہوں کو رونقِ ماہتاب دو گے؟

سُنا ہے رات ایک رند نے میکدے میں پیرِ مغاں سے پوچھا
ہم ایسے خانہ بدوش رندوں کا خُون پی کر شراب دو گے؟

بجا کہ تم نے چمن فروشوں کو شہر یارِ چمن کہا ہے
تمہارے ہاتھوں جو مِٹ چکے ہیں انہیں بھی کوئی خطاب دو گے؟

مَیں بے ادب تھا کہ رِندخانے میں شیخ صاحب سے پوچھ بیٹھا
کہ عرصۂ جنگ میں جوانانِ سربکف کو رُباب دو گے؟

جواں بہنوں کے خشک آنسو ضمیرِ عالم سے ہم سخن ہیں
کہاں ہمارا لہُو بکے گا؟ کہاں ہمارا شباب دو گے؟

جنہیں تمہارے چلن کی سختی نے سرد لاشیں بنا دیا ہے
وہ لوگ پھر انقلاب مانگیں گے اور تم انقلاب دو گے

۱۵ر اگست ۱۹۵۷ء

ساقی نامہ

تحریکِ ختمِ نبوّت کے دنوں میں:

فضا لالہ و گُل سے لبریز ہے
سیاست کی آب و ہَوا تیز ہے

پلا ساقیا، بادۂ لالہ فام
زمانے کی تاریخ ہے تیز گام

گُل و نسترن سے سبُو مانگ لا
شہیدوں کا اُن سے لہُو مانگ لا

خُدا کے لیئے بادۂ ناب دے
مِرے جام میں خونِ پنجاب دے

اُدھر دولتانے اِدھر نُون ہیں
یہ سب دلفریبی کے مضمُون ہیں

اِنہیں کوئی تازہ سبُو لاکے دے
سبُو لاکے دے یا لہُو لاکے دے

بُری چیز ہے یا بَھلی چیز ہے
وزارت بڑے کام کی چیز ہے

مری تشنہ کامی کا احساس کر
مَیں ذرّہ ہوں، ذرّے کو الماس کر

قزلباش سے بادۂ نُور لا
برنگِ غزل نغمۂ طور لا

مدیرانِ اخبار کی خیر ہو
فقیہانِ سرکار کی خیر ہو

پلا ساقیا بادۂ تیز تیز
فضا دل کشا ہے ہَوا عطر بیز

وزارت کے چشمے اُبلنے لگے
گراں خواب ٹوڈی سنبھلنے لگے

ٹوانوں کے طرّے لہکنے لگے
سیاسی عنادل چہکنے لگے

فقیہہ و حکیم و مسیح و کلیم　　بڑے زور پر ہیں سیاسی یتیم
بہ عنوانِ بادہ سیہ کار ہیں　　غزل کی زباں میں طرحدار ہیں
سیاست کے اربابِ عالی مقام　　بڑے تیز رَو ہیں. بڑے بے لگام
اُٹھیں تو ہواؤں کے رُخ موڑ دیں　　بڑھیں تو چٹانوں کے دل توڑ دیں
پلا ساقیا بادۂ انگبیں　　شگفتہ غزل در شگفتہ زمیں

وہ ممدوٹ ہے اور یہ ممتاز ہے
ممولے کے پنجے میں شاہباز ہے

پُرانی سیاست گری خوار ہے　　فضا خان زادوں سے بیزار ہے
پُرانے دنوں کا فسانہ گیا　　جبینیں گئیں آستانہ گیا
عرُوسِ چمن کو خزاں کھا گئی　　وزارت کو آہ و فغاں کھا گئی
سیاسی لُٹیرے حیا لے گئے　　رہ و رسمِ مہر و وفا لے گئے
شہیدوں کے خُونیں کفن بک گئے　　گل و لالہ و نسترن بک گئے
حیا باختہ ٹولیاں دے گئے　　گئے اور ہمیں گولیاں دے گئے
وزارت تو خیر اِک بڑی بات ہے　　پلا ساقیا! چاندنی رات ہے

یہ صہبا بہ فرمانِ سرکار لا
مرے جام میں خونِ احرار لا

اے وادیٔ کشمیر

ہر ذرّہ ترا مانی و بہزاد کی تصویر — اے وادیٔ کشمیر
ہر شاخ تری حافظ و خیّام کی تحریر — اے وادیٔ کشمیر

بھارت ترے سینے میں سناں گاڑ چکا ہے — طوفان بپا ہے
یہ حشر کا منظر ہے کہ ہے شوخیٔ تقدیر — اے وادیٔ کشمیر

اولادِ ستمگر تیرا چمن لوٹ رہی ہے — اُفتاد کڑی ہے
اب وقت ہے لا حیدرِ کرّار کی شمشیر — اے وادیٔ کشمیر

بیٹے تیرے سیلابِ حوادث سے لڑے ہیں — زنداں میں پڑے ہیں
توحید کے فرزند ہیں طاغوت کے نخچیر — اے وادیٔ کشمیر

پیرانِ حرم! عجب تراشی پہ تُلے ہیں — سب چکنے گھڑے ہیں
اس صنعتِ آذر سے مشیّت بھی ہے دلگیر — اے وادیٔ کشمیر

رُسوا کیا اسلام بریلی کے ٹھگوں نے　　پیڑوں کی لٹوں نے
طامات کے نرغہ میں ہے قرآن کی تفسیر　　اے وادئ کشمیر

انگریز کے دیرینہ غلاموں سے گلا کیا　　اُمیدِ وفا کیا
خود اپنے پہاڑوں سے اُٹھا نعرۂ تکبیر　　اے وادئ کشمیر

قدرت نے ہمیں ذہن دیا، فکر عطا کی　　پُرجوش نوا دی
ہیہات کہ ہم جعفر و صادق کے ہیں نخچیر　　اے وادئ کشمیر

شورش نے فقیہانِ بریلی سے کہا ہے　　اعلان کیا ہے
انساں نہیں پیران کج اندیش کی جاگیر　　اے وادئ کشمیر

قائدِ اعظمؒ کی ولادت پر

نکتہ چینوں کی اُس جماعت کے نام جس کا
قومی وظیفہ آزیری مخبری ہے

ان سے سچّی بات اب کہنی پڑے گی صاف صاف
بُزدلوں کی ٹولیاں شورش کریں مجھ کو معاف
جانتا ہوں مَیں کبھی ان کی صفوں میں تھا نہیں
مَیں نے جو چاہا کیا ان کی طرف دیکھا نہیں
دس برس زنداں میں کاٹے یہ جواں مردی نہ تھی
ایک آوارہ سفر تھا کوئی پامردی نہ تھی
ہاں مگر کچھ تو کہو اے رہ نوردانِ دعا
قائدِ اعظمؒ کا لے کر نام تم نے کیا کیا؟
کرسیوں کے طوفِ آوارہ میں سر دُھنتے رہے
بہرے بن بن کے فغانِ دردِ دل سُنتے رہے

ضبط کی تلقین کے پردے میں اذنِ انتشار
اور اس کا نام تم نے رکھ دیا قومی وقار

یہ کبھی سوچا کہ جد و جہد آزادی کے بعد
نازنینانِ چمن کی خانہ بربادی کے بعد

مدرسہ کے نونہالوں کو تلنگا کر دیا
تم نے اس بازار میں ملت کو ننگا کر دیا

جس طرف نکلے جہاں پہنچے تماشا ہو گئے
تم پہ کیا بیتی ؟ یہ کیا گذری کہ لاشا ہو گئے

انجمن ستائشِ باہمی

رات اِک بزم میں تھے گرمِ سخن قال فروش
ایک طنّاز کے الفاظ میں "اقبال فروش"

ہو رہی تھی سخنِ رومی و عطّار پہ بحث
محو تھے ذکرِ شب و روز میں ابطال فروش

شہرِ افکار میں تہذیبِ نوی کے تاجر
کشمکش ہائے معانی میں مہ و سال فروش

دامنِ فکر پہ ماضی کے شکستہ الزام
عرصۂ جہد کے دوراہے پہ افضال فروش

دانش و حکمتِ افرنگ کے دیرینہ غلام
شہرِ تاریخ میں اسلاف کے اعمال فروش

دُور افتادہ خیالوں کے تہی دست خطیب
قرنِ اوّل کی روایات کے اقوال فروش

ان کو دانش کدۂ دیں کی ہے تفہیم سے کیا
رازیؔ و رومیؔ و اقبالؔ کی تعلیم سے کیا

صدرِ مملکت کے نام

اے صدرِ مملکت پئے عرض و نیاز شوق
باتیں رکھی ہیں میرے قلم نے کھری کھری

ازبسکہ ہے زبان و بیاں پر مجھے عبور
مرکب ہے میرے فکر کا شہوارِ شاعری

لکھتا ہوں میں وہ بات سمجھتا ہوں جس کو حق
اس کے سوا فضول و عبث ہے سخن وری

فانی شہنشہوں کی قصیدہ نگاریاں؟
اس تاجرانہ فن کو سمجھتا ہوں کافری

لیکن ترے لئے مرے نطق و ضمیر نے
ایسے چنے ہیں پھول نہیں جن کی ہمسری

سایہ فگن ہو سَر پہ تیرے لُطفِ ذوالجلال
جمتا رہے چمن میں ترا رنگِ رہبری

شایاں ہے تیرے ہاتھ کو شمشیرِ آبدار
نازاں ہیں تیری شانِ سیادت پہ لشکری

تُو نے گرہ کشوں کی اُکھاڑی ہے بیخ و بُن
تُو نے کیا درست دماغِ سکندری

از من قبُول کُن بنگاہِ سخن شناس
ایں حرفِ التماس و نوائے قلندری

جتنے نمک حرام ہیں اقبؔال کے خلاف
ان مجرُموں کے سَر پہ لگا ضربِ حیدری

پھر مرحبی ہے مرتضوی سے ستیزہ کار
پھر سَر اُٹھا رہے ہیں زمانے میں عنتری

ان بزدلوں کے دامنِ تزویر پھاڑ دے
اس سرزمیں میں پرچمِ اسلام گاڑ دے

قمار خانہ میں

—— : مارشل لا کے فوراً بعد سیاسی مقامروں کی شب آرائیوں کا نقشہ : ——

مقامروں کا سرخیل اپنے ساتھیوں سے

دوست داران چمن آؤ صبا پر سوچیں
بات بنتی نظر آتی ہے فضا پر سوچیں

یہ ہے سہ سالہ خموشی کے دروبست کا راز
بند کمروں میں کوئی بات وفا پر سوچیں

طوف لیلائے وزارت پہ ہے موقوف حیات
کیا ضروری ہے کہ آئین وفا پر سوچیں

ہم نے جو کچھ بھی کیا، خوب کیا، ٹھیک کیا
سوچنا کیا ہے، جو سوچیں تو خلا پر سوچیں

کوئی افسانہ تراشیں کسی عنوان کے ساتھ
اک نئے رخ سے زمانے کی ہوا پر سوچیں

لوگ ہیں دولت و طاقت کے پرستار کہن
ان کی فطرت ہے کہ تسلیم و رضا پر سوچیں

باغبانوں سے نشیمن میں کریں راز و نیاز
ضرب و تقسیم کی شب رنگ قبا پر سوچیں

ہاتھ آجائے وزارت تو کہیں "سب اچھا"
بات رہ جائے تو پھر زلف دوتا پر سوچیں

فطرتاً پنجۂ صیاد بڑا خونیں ہے
لازماً فیصلۂ کلک فضا پر سوچیں

مرد مومن کی فراست کے خم و پیچ سے دور
دور افتادہ حقائق کی صدا پر سوچیں

غیر کے ہاتھ میں ہے ناقۂ لیلیٰ کی مہار
دشت مجنوں کے کسی آبلہ پا پر سوچیں

ہے نیا دور نیا رنگ رچانا ہوگا
اِک تماشا ہمیں آغاز دکھانا ہوگا

پہلا ساتھی

ٹھیک ہے سوچ کہ گلچیں کو تہ دام کریں — جس سے صیاد ہراساں ہو وہی کام کریں
شہریاروں سے اُلجھنا نہیں اچھا لیکن — ان کو ہر کوچہ و بازار میں بدنام کریں
داؤں پر اپنے لگا کر انہیں رستم کر دیں — سان پہ اپنی چڑھا کر انہیں صمصام کریں
بات بنتی نظر آئے تو بنا لیں بے شک — خود فروشی کی روایات کہن عام کریں
شعبدہ کوئی دکھا کر کسی انداز کے ساتھ — جن کا اس ملک پہ قبضہ ہے انہیں رام کریں
لوگ کیا چیز ہیں اور اُن کی حقیقت کیا ہے — یہ تو بازار کی شے ہیں انہیں نیلام کریں
سوچنا یہ ہے کہ صیاد کے ہم چشموں کو — زیر کرنے کیلئے کون سا اقدام کریں

اپنے انجام کی تصویر لئے پھرتے ہیں
ہر نفس شکوۂ تقدیر لئے پھرتے ہیں

دوسرا ساتھی

وقت کہتا ہے کہ ملاح کی مرضی کر لو
ناؤ منجدھار میں ڈالو اسے راضی کر لو

پہلا ساتھی

اس سے کچھ بات نکل آئے نظر آتا ہے — ایک مضموں نکھر جائے نظر آتا ہے
ایک مجروح مصوّر کسی ویرانے سے — کوئی تصویر بنا لائے نظر آتا ہے
ناخدا ڈوب کے نکلیں سرِ ساحل شاید — ناؤ طوفان کے مُنہ آئے نظر آتا ہے
پردۂ شب سے برآمد ہو سحر کا سُورج — یا عَلم رات کا لہرائے نظر آتا ہے
یہ بھی ممکن ہے کہ پیمانہ و ساغر میں چلے — یا کوئی رند سزا پائے نظر آتا ہے

ہَوس بادہ کشی شوق کو بھڑکاتی ہے
نیّتِ پیرِ مُغاں صاف نظر آتی ہے

تیسرا ساتھی

آپ جو کچھ بھی کہیں رات ابھی باقی ہے — دن کے بے روک اُجالوں میں کمی باقی ہے
ڈس رہا ہے گُل و لالہ کو خزاں کا موسم — طائروں میں ابھی بے بال و پری باقی ہے
حلقۂ پا ہی سہی، حلقۂ گیسو نہ سہی — کوئی تو بات بہ فرمانِ شہی باقی ہے
قوم کے ساتھ ضروری ہے کوئی کھیل کرو — کہ یہاں رسم و رہ شیشہ گری باقی ہے
کوئی شوشہ کسی اندازِ نوی سے چھوڑیں — شہر میں فہم و فراست کی کمی باقی ہے
جہد و ایثار غلط، ولولۂ شوق فضول — اس قبیلے میں فنِ لابہ گری باقی ہے

چھوڑ کر ماضیٔ مرحوم نئی بات کرو
بھول کر بھی نہ کبھی ترکِ موالات کرو

دوسرا ساتھی

جتنے سجدے ہیں جبینوں میں لُٹانے کے لیے
وقف کر دو انہیں شاہوں کو منانے کے لیے

چوتھا ساتھی

تلخیٔ ہجر سے ہنگامِ وصال اچھا ہے
صبرِ ایوب بہ عنوانِ مآل اچھا ہے

"دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے"

نازنینانِ سیاست ہیں حرم کی زینت
شاہزادوں کی زباں پہ ہے کہ مال اچھا ہے

جس سخن سے ہو جبینوں پہ شکن، لاحاصل
جس میں ہو بوئے گدائی وہ سوال اچھا ہے

گردنیں گفتۂ سرکار پہ خم کر کے چلو
یہ بڑی بات ہے، اس فن میں کمال اچھا ہے

"کون جیتا ہے کسی زلف کے سر ہونے تک"
جی کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

کوئی قیمت ہے سیاست میں وفاداری کی؟
بے ہنر لوگ سمجھتے ہیں کہ مال اچھا ہے

بے سبب کوچۂ جاناں کی طرف جاتے ہیں
بے شبہ ماضیٔ مرحوم سے حال اچھا ہے

سازشی دور میں نیزے کی انی ہوتے ہیں
اپنے احباب وزارت کے دھنی ہوتے ہیں

غزل

دوستو! آپ نے اس بات پہ سوچا ہوگا
ناخداؤں سے جو اُلجھوگے تو کیا کیا ہوگا

جو یہاں بیت چُکی ہے جو یہاں بیتے گی
کشمکش ہائے شب و روز میں دیکھا ہوگا

شب کے نرغے میں سفینوں کو بھنور چاٹیں گے
بیچ منجدھار کے سنگین تماشا ہوگا

لوگ ہر حال میں کوفی ہیں کئی صدیوں سے
اس تہی مغز جماعت سے بھلا کیا ہوگا

سال ہا سال سے متروک ہے ایثار کا لفظ
جس نے یہ نام لیا دار پہ لٹکا ہوگا

خام ہوتے ہیں دبستان سیاست کے اصول
گمرہی کا یہ تقاضا ہے کہ چلنا ہوگا

دل پریشاں نہ کرو رات کے ہنگاموں پر
آج کی رات کٹے گی تو سویرا ہوگا

اس بیاباں میں شغالوں کی روش بہتر ہے
جو بھی یہ چال چلے گا وہی بالا ہوگا

چوٹ کھانے سے کئی زخم ہرے ہوتے ہیں
پتھر کھا کے جو اُٹھو گے تو اچھا ہوگا

جتنے سجدے ہیں جبینوں میں انہیں ڈھیر کرو
شاہ کے در پہ بکھیروگے تو چرچا ہوگا

کسی کوشش سے وزارت میں جگہ مل جائے
پھر جو طوفان اُٹھاؤ گے وہ برپا ہوگا

شرط یہ ہے کہ بزرگوں کے قدم لے کے چلو
اپنی گم گشتہ سیاست کا بھرم لے کے چلو

— ۲ —

قوم بر خوابِ حرارت کے سوا کچھ بھی نہیں
ایک اندھے کی بصارت کے سوا کچھ بھی نہیں

خدمت الناس ضروری ہے مگر یاد رہے
نام و ناموس وزارت کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ خفی راز ہے اس راز کو عریاں نہ کرو
ذکرِ اسلام شرارت کے سوا کچھ بھی نہیں

ہم جو کہتے ہیں کہ خادم ہیں مسلمانوں کے
شوخ چشمانہ جسارت کے سوا کچھ بھی نہیں

خوفِ یزداں بھی غلط، حاصلِ ایماں بھی غلط
دامنِ شب میں امارت کے سوا کچھ بھی نہیں

اس سیاست گہہِ دوراں میں عروج و اقبال
بادشاہوں کی سفارت کے سوا کچھ بھی نہیں

وحشت آباد سیاست کے خیالات کی رَو
ایک بھرپور حقارت کے سوا کچھ بھی نہیں

جتنے سجدے بھی جبینوں میں ہیں یارانِ قدیم
مرجعِ قصرِ صدارت کے سوا کچھ بھی نہیں

مصلحت کا یہ تقاضا ہے کہ خاموش رہو
شوقِ لیلائے وزارت میں وفاکوش رہو

اندرونِ خانہ

روشن آرا گا رہی تھی اک بڑے لیڈر کے گھر
نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا

ریشمی صوفوں کی زینت تھے تغزّل آشنا
کاغذی تھا پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کہہ رہے تھے کرسیوں کی فکر میں اُمیدوار
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

بولتی تھی دو لتانے کی جبینِ پُر شکن
مُدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

آہنی پیکر پکار اُٹھا بہ عنوانِ جلی
مُوئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

بزدلوں کے منحنی چہرے کی زردی دیکھکر
رنگ اُڑتا جا رہا تھا چہرۂ شمشیر کا

فاش ہیں اسرارِ بصری پر رموزِ مملکت
پیش آجاتا ہے سب لکھا ہوا تقدیر کا

ہ شورش کاشمیری کا قلمی نام

ریڈیو پہ ہفتۂ موسیقی

لاہور ریڈیو ہر سال قبیلۂ ساز و سرود کی معیت میں ہفتۂ موسیقی مناتا ہے

ان شبینہ عبادتوں میں طاؤس و رباب کی وہ تمام رونقیں جمع کی جاتی ہیں،

جن سے جانِ عالم پیا کا مٹیا محل اور بہادر شاہ ظفر کا قلعۂ معلیٰ جگمگاتا رہا ہے

اشعارِ ذیل اسی خاندانِ رنگ و بو کی نذر ہیں:-

گائیکی کے ہفتۂ پُر شوق کا آغاز ہے
تا دھنا دھن تاک کی پھیلی ہوئی آواز ہے
اِک طرف اقبال بانو اک طرف شہناز ہے

ریڈیو پہ قوم کی اصلاح کا آغاز ہے

قوم بنتی ہے صبیحہ کی ادائے ناز سے
رقص کی زرتوں سے یا پازیب کی آواز سے
میکدے کی چار دیواری ہیں حرصِ و آز سے

ہر کہ و مہ کے لئے بابِ تعیش باز ہے

ساز کی لے میں جو لذت ہے نہیں شمشیر میں
جو مزا باگیشری میں ہے، نہیں تکبیر میں
نشریئے کا لطف آسکتا نہیں تحریر میں
اس ترقّی پر خدایانِ وطن کو ناز ہے

عاقبت کا اب سرو سامان پکّے راگ ہیں
قوم کی تہذیب کا عنوان پکّے راگ ہیں
سوچ لو! بنیادِ پاکستان پکّے راگ ہیں
اور ان میں مستتر قومی سفر کا راز ہے

شاعرِ مشرق نے جو کچھ بھی کہا بے سُود ہے
ہر بڑے گائیک کی لے میں نغمۂ داوُد ہے
اب یہی منزل ہے اپنی اور یہی مقصُود ہے
ہر مغنّی اُمّتِ مرحوم کا دم ساز ہے

زاویئے بنتی نظر آتی ہیں گانے والیاں
پھُول بن جاتی ہیں ان کی گائیکی سے گالیاں
تحفۂ تقسیم ہوتی ہیں شگفتہ ڈالیاں
یہ بھی اِک تہذیبِ حاضر کا نیا انداز ہے

سوچتے ہیں ان تہی دستانِ سیرت پر عوام
یہ کریں گے اُمّتِ خیرالوریٰ کو نیک نام
"ان پری زادوں سے لیں گے خُلد میں ہم انتقام"
غالبِ نکتہ سرا بھی رندِ شاہد باز ہے

مَیں جو کہتا ہوں تو میری بات بن جاتی ہے دار
پھیلتا ہے دوستوں کے شیشۂ دل پر غبار
آہی جاتا ہے زباں پر قولِ حق بے اختیار
جادۂ دار و رسن شورش مرا ہمراز ہے

"گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا"

جن دنوں عائلی قوانین مارشل لاء کے سانچے میں ڈھل رہے تھے
کراچی کی بعض بیگمات نے خالق دینا ہال میں جلسہ منعقد کر کے علماء پر تبرّی کیا
تھا۔ مثلاً "مولوی مردود، عیاش، فحاش اور ذلیل ہیں۔" ذیل کی نظم میں انہی گالیوں
کی تصویر کھینچی گئی ہے۔

○

اِس قبیلے کے سبھی افراد نامسعود ہیں
ایک خانم نے کہا ہے مولوی مردود ہیں
لڑکیوں کی خوبرُوئی پہ مچل جاتے ہیں یہ
چمپئی رُخسار ان کے گوہرِ مقصود ہیں
ان کی عیاشی پہ حجّت کاکُلِ پیچاں کے خم
ان کی جنسی خواہشوں کے زخم لا محدُود ہیں

دانشِ حاضر سے خالی اُن کے بوسیدہ دماغ
ان کے دل لذّت شناسِ شاہد و مشہود ہیں
یہ تہی کیسہ مقامِ زن سے ہیں نا آشنا
ان میں اوصافِ شرافت فطرتاً مفقود ہیں
بیویوں پر بیویاں ان کے نفس کی اشتہا
یہ مریضانِ کہن معذول یا مطرود ہیں
یہ ہیں احکامِ شریعت کے پُرانے خُود فروش
وعظ ان کے منبر و محراب پہ بے سُود ہیں
سوچتا ہوں نازلی بیگم سے مَیں کیسے کہوں؟
آج کل شعر و سخن کے راستے مسدُود ہیں
بات اتنی ہے کہ ان کو شرم کرنا چاہیئے
ان برہنہ گالیوں پر ڈوب مرنا چاہیئے

گر تو بُرا نہ مانے

——— صوفی غلام مصطفےٰ تبسم مدیر لیلِ و نہار کے نام ———

مَیں پُوچھتا ہوں صوفیٔ گردوں وقار سے
یہ حرفِ خاص صاحبِ لیلِ و نہار سے

کیا بات ہے کہ پھُول ہیں منّت کشِ سموم
یہ چال کیا چلی ہے خزاں نے بہار سے

دانشوروں کی آب ہے لُقّوں کے ہاتھ میں
مفقود ہو چکی ہے وفا حسنِ یار سے

جاتے ہیں آپ کوچۂ دلدار کی طرف
لے کر سلامِ شوق ادیبوں کی ڈار سے

یہ بھی غلط نہیں کہ غزل کے مزاج پر
قدرت ملی ہے آپ کو پروردگار سے

لہ اب لیل و نہار بند ہو چکا ہے ــــ

بنتی نہیں ستائش احباب کے بغیر
بیَں نے سمجھ لیا ہے یمین و یسار سے

پیدا ہوئیں فسانہ نگاروں کی ٹولیاں
لیکن اُٹھا نہ کوئی ادیب اِس دیار سے

المختصر کہ کارگہِ ہست و بُود میں ،
فطرت بھی کانپتی ہے قصیدۂ گدا سے

شورش قلم فروش ادیبوں کا طائفہ
کیا چاہتا ہے طنطنۂ شہریار سے

سنگدل لوگ

"نہ خوفِ آہ انہیں ہے نہ ڈر ہے نالوں کا
بڑا کلیجہ ہے ان دل دکھانے والوں کا"

قلم فروش ادیبوں کے خدوخال کی خیر
یہ اِک گروہ ہے اس دور کے رذالوں کا

بڑے دنوں سے پریشاں ہیں کُشتگانِ نیاز
عجیب حوصلہ ہے مار کھانے والوں کا

شباب پر ہیں رقیبانِ حاضر و غائب
عُروج پر ہے زمانہ پری جمالوں کا

اس ایک بات پہ سوچا ہے بارہا مَیں نے
رہے گا خوف کہاں تک یہاں قتالوں کا

بدل چکی ہیں پُرانے خیال کی راہیں،
نکل گیا ہے جنازہ نئے خیالوں کا

قلم کو روک! مبادا فساد ہو برپا
یہ دور اب نہیں شورشؔ ترے مقالوں کا

اگر "الاسماء تنزل من السماء" کا مقولہ صحیح ہے تو مصنف
اِس کے پورے مصداق ہیں - وہ محض تخلص اور نام
کے نہیں بلکہ عمل اور کام کے بھی شورش ہیں - ان کی فطرت
انقلابی ہے - ان کی طبیعت بے چین و بے قرار واقع ہوئی
ہے - اس لئے ان کی پوری زندگی شورش اور دعوتِ
انقلاب میں بسر ہوئی ہندوستان و پاکستان کی آزادی سے
پہلے وہ جنگِ آزادی کے شعلوں سے کھیلتے رہے اور
آزادی کے بعد ملک و قوم کی اصلاح و ترقی کے لئے ان کا
قلم خوں فشاں رہتا ہے - وہ تنہا صحافی نہیں بلکہ خطیب و
شاعر بھی ہیں اور اس لحاظ سے وہ اس دور کے ظفر علیخاں
کہلانے کے مستحق ہیں -

"معارف" اعظم گڈھ
جنوری ۱۹۵۷ء

ہمارے ہم نشین صرف کتابیں ہیں جن سے کسی فتنے اور کسی بدمزگی کا اندیشہ
نہیں - اور نہ ان کی زبان اور ہاتھ سے کوئی خطرہ :

—— ابوالعباس